موجد قانون مفرد اعضاء
فرنگی طِب
غیر علمی اور غلط ہے
محقق و مصنف:
مجدد طب حکیم انقلاب المعالج دوست محمد صابر ملتانی
نوری کتب خانہ ○ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور
کتب خانہ طبیب

یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا ○

فرنگی طب کو چیلنج

# فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے

ALOPATHY
IS UNSCIENTIFIC AND WRONG

فرنگی طب کا غلبہ اور اثر دنیا میں پھیل گیا ہے اور یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ وہ سائنسی (علمی) طریق علاج ہے اور اس کے مقابلہ میں طب قدیم کے متعلق یقین کر لیا گیا ہے کہ وہ غیر سائنسی (غیر علمی) طریق علاج ہے اور زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ یہ بے نظیر تحقیقاتی اور علمی کتاب اسی غلط یقین کا صحیح جواب ہے گویا دنیا میں بہت بڑا انقلاب ہے۔ دراصل یہ کتاب فرنگی طب کو زبردست چیلنج ہے۔

محقق و مصنف

مجدد طب حکیم انقلاب موجد قانون مفرد اعضاء المعالج حضرت دوست محمد صابر ملتانی
بانی تحریک تجدید طب رجسٹرڈ پاکستان

پیش کش

پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

نوری کتب خانہ نزد فری نوری شفاخانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور
فون: 6366385(042)

باجازت محترم حکیم مسلم ناصر شکیل ابن الحاج حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی


نام کتاب ــــــ فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے

مصنف ــــــ حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی

بار اوّل ــــــ ۱۹۹۳ء

تعداد ــــــ ۳۰۰

طابع ــــــ ناصر برادرز پرنٹرز لاہور

زیر اہتمام ــــــ پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

ناشر ــــــ نوری کتب خانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور

قیمت ــــــ ۲۹/۰ روپے

ملنے کا پتہ:

۱- نوری کتب خانہ نزد فری نوری شفاخانہ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور

۲- دواخانہ حکیم انقلاب، علیسی سٹریٹ نمبر ۱ فیض باغ لاہور


قانون مفرد اعضاء کے مطابق تیار شدہ ادویہ بھی تھوک و پرچون دستیاب ہیں۔

## چودھواں چیلنج — مبلغ دس ہزار روپے کا انعام

فرنگی حکومت کے ساتھ فرنگی طب بھی برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئی۔ اس وقت سے لے کر آج تک طب قدیم پر فوقیت حاصل کرنے کے لیے شب و روز کوشش کرتی رہی ہے۔ اب ایسی خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ اکثر حکماء نے فرنگی طب کی فوقیت کو تسلیم کرلیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ طب قدیم کی تجدید فرنگی طب سے کی جائے جس کا مقصد طب قدیم کو فنا کرنا ہے۔

اس لیے یہ کتاب "فرنگی طب غلط اور عطایانہ ہے" لکھی ہے۔ اس ماڈرن سائنس دور میں جو کوئی یورپ و امریکہ اور روس و چین یا کسی بھی ملک میں ہماری اس تحقیق و تدقیق کو غلط ثابت کرے ہم مبلغ دس ہزار روپے انعام کے طور پر پیش کردیں گے۔

صابر ملتانی

۱۵۔ اکتوبر ۱۹۶۵ء

## معنون

اپنی اس علمی تحقیقی و فنی انکشاف اور طبی تجدید و سائنسی تدقیق کو جو احیائے طب اور ارتقائے علم و فن کے لیے کی گئی ہے اپنے صاحب علم و اہل فن محترم دوست جناب حکیم مولوی محمد حسین صاحب قطب پور تحصیل خانیوال ضلع ملتان (سرگرم رکن تحریک تجدید طب پاکستان) کے نام نامی اسم گرامی سے موسوم کرتا ہوں۔ آپ تحقیقات و تدقیقات اور ریسرچ کا اس قدر ذوق سلیم اور شوق عظیم رکھتے ہیں جس کے لیے بارہا دور دراز علاقہ سے لاہور تشریف لائے ہیں اور نظریہ مفرد اعضاء کے تحت علم العلاج کو سمجھنے اور فنی پیاس بجھانے کے لیے عزیز حکیم نصیر الدین کو دو تین ماہ تک میرے پاس مطب میں رکھا۔ آپ ایک خاموش مگر زبردست مبلغ دین و فن ہیں اور اسلام و انسانیت کی خدمت کرنا ان کی زندگی کے زبردست مقاصد ہیں۔

صابر ملتانی

۱۴۔ اکتوبر ۱۹۶۵ء

# فہرست مضامین



# پیش لفظ

خداوند حکیم اور قادر مطلق کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے زمین و آسمان پیدا کرکے اس کی گردش کو ایک سیدھے راستہ پر قائم کر دیا ہے (فطرۃ السماوات والارض حنیفہ) اور ان کے افعال کو جس قانون قدرت پر قائم کیا گیا ہے اس کا نام فطرت اللہ اور سنت الٰہیہ رکھ دیا گیا۔ اور تاکیداً کہہ دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی شے پیدا کرتے ہیں پھر اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے (لاتبدیل لخلق اللہ) بلکہ تاکیداً لکھ دیا ہے کہ ان کے قانون میں ہرگز ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائی جائے گی۔ (لن تجد لسنت اللہ تبدیلا) بلکہ اس میں ہرگز کوئی ہیر پھیر بھی نہیں پایا جائے گا (لن تجد لسنت اللہ تحویلا) اور فطرت کے متعلق راہ نمائی کر دی ہے کہ فطرت ایسے قوانین ہیں جن پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا) کیونکہ اس کائنات میں انسان ہی اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اور زندگی کا ایک انتہائی کمال ہے۔ اس لئے اس کی فطرت کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے اور نمونہ کے طور پر ذکر کیا ہے اور ہر مخلوق اس میں شامل ہے۔

انسانی زندگی اس کائنات میں جن قوانین پر قائم کی گئی ہے اس میں ہر مخلوق چاہے وہ جمادات میں شریک ہو چاہے نباتات کا حصہ ہو یا حیوانات سے تعلق رکھتی ہو یعنی اس کی تخلیق کسی طرح بھی ہوئی ہو وہ سب نمونے انسان کی زندگی میں شریک ہیں۔

موالید ثلاثہ میں تخلیق کی تین صورتیں نظر آتی ہیں۔ جمادات میں نمو کا رتخلیق، جو کشش ثقل کے اصول پر قائم ہے۔ نباتات میں کیمیاوی طریق تخلیق اور حیوانات میں مشینی طریق تخلیق سے پیدائش عمل میں آتی ہے (جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے)

انسان میں یہ تینوں طریق تخلیق شامل ہیں اور اسی لئے اگر انسان کی تخلیق کو پورے طور پر سمجھ لیا جائے تو کائنات کی ہر زندگی اور تخلیق کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس تخلیق میں اہم بات یہ ہے کہ جس طرح وہ انسانی زندگی میں ہم آہنگ ہیں اسی طرح ان کی باہمی زندگی یا جسم میں ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ بس اس کا سمجھنا ہی ان کے قانون قدرت اور فطرت کو سمجھنا ہے۔

## انسانی مشین

انسانی زندگی کی ہم آہنگی کی مثال بھی ایک مشین سے دی جا سکتی ہے۔ یہ مشین کپڑے سینے کی ہو یا بائیسکل کی طرح ہاتھ پاؤں سے چلتی ہو یا گھڑی اور کھلونے کی طرح اس میں چابی سے کوک بھری جاتی ہو یا موٹر اور ریلوے انجن کی طرح تیل، پٹرول، بھاپ اور بجلی سے چلنے والی مشینیں ہوں۔ جب بھی ان کے کسی ایک پرزہ کو حرکت دی جاتی ہے باقی تمام پرزے حرکت میں آ جاتے ہیں اور مشین چل پڑتی ہے اور اس کا کوئی پرزہ بگڑ جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے تو مشین رک جاتی ہے۔ جب اس کے کسی پرزہ کو تیز کریں تو مشین تیز ہو جاتی ہے اور سست کریں تو سست ہو جاتی ہے۔ ہر مشین میں بگاڑ تین طریق سے عمل میں آتا ہے (۱) اس کے پرزے کی رفتار میں سستی یا تیزی پیدا ہو جاتی ہے (۲) پرزہ گھس جاتا ہے یا اپنے مقام سے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی اس کی فٹنگ خراب ہو جاتی ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔ اس نظام کے علاوہ (۳) ایک نظام تیل کا بھی ہوتا ہے جو ایک طرف سے اس میں ایندھن کا کام کرتا ہے اور دوسری طرف سے اس میں لبریکیشن سے پرزوں کو گھسنے اور گرم ہونے سے بچانے کے لئے تر رکھتا ہے۔ اس سلسلہ کو ہم اس کا کیمیاوی نظام کہتے ہیں۔ جب کوئی مشین خراب ہو جاتی ہے تو اس کا ماہر مکینک یا انجنیئر اس کی دو صورتوں کا جائزہ لیتا ہے۔ (۱) مشینی حالت کا بگاڑ (۲) تیل کی رفتار کا بگاڑ۔ بس جہاں بھی کہیں نقص ہوتا ہے دور کر دیتا ہے۔ پھر ساری مشین باقاعدگی کے ساتھ اسی طرح اس کے کسی ایک پرزے کو چلانے کے ساتھ چل پڑتی ہے۔ اس طریق کا نام کام کا باقاعدہ ہونا (WORKING SYSTEMATIC) ہے۔ ہر انجنیئر اور ماہر فن اپنی مشین کے ہر پرزے کی شکل و صورت محل وقوع، دیگر پرزوں سے تعلق اور ان کے افعال اور اعمال سے خوب واقف ہوتا ہے اور ضرورت کے مطابق اپنی معلومات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

بس جاننا چاہئے کہ انسانی جسم بھی ایک قسم کی مشین ہے اس میں بھی تمام پرزے مشین کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی خرابی سے ایک دوسرے پر اثر پڑتا ہے اور ان میں باقاعدہ کیمیاوی طور پر خون اور دیگر رطوبات کا لبریکیشن ہوتا ہے۔ جس سے ایک طرف جسم کو غذائی صورت میں بدل ما تحلل اور طاقت قائم رہتی ہے اور دوسری طرف سے جسم کے کل پرزے تر رہتے ہیں اور ان کو رگڑ اور گرمی سے بچاتے رہتے ہیں۔

## کائناتی مشین

کائنات کا ہر ذرہ قانون فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کا تعلق کائنات میں زمین سے لے کر آسمان تک تمام دیگر ذرات کے ساتھ قانون فطرت کے مطابق ہے۔ اس لئے ان ذرات کی حرکت و گردش نہ صرف قانون فطرت کے مطابق ہے بلکہ باہمی تنظیم و ضبط اور اصول کے تحت ہے۔ اگر زندگی و کائنات اور نفس و آفاق کے کسی ایک ذرہ یا جز میں حرکت ہوتی ہے تو دیگر ذرات قانون فطرت اور اصولی تعلق کی وجہ سے اپنا تنظیم و ضبط قائم رکھتے ہوئے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔

اس کائنات و آفاق اور زندگی و نفس کی تدوین انہی ذرات سے قائم ہے اور موالید ثلاثہ میں یہی ذرات پنہاں نظر آتے ہیں۔ اور انسان بھی انہی کا مجموعہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات، بن مانس، انسان اور نبوت تک ہر ایک میں احساس و شعور اور ادراک کی شدت، غور و خوض اور تدبیر و تصدیق کی کمی بیشی پائی جاتی ہے جس قدر بھی احساس و ادراک اور تصدیق یعنی علم و عقل اور حکمت بڑھتا جائے گا اس کا شعور کائنات و آفاق طبیعیات و مابعد طبیعیات بڑھتا جائے گا اور وہ اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا جائے گا۔

کائناتی ذرات کو طب قدیم کے قانون میں ارکان کہتے ہیں جو چار ہیں جن کو بسیط تسلیم کیا گیا ہے اور وہ غیر منقسم ہیں یا فرنگی طب کی تحقیقات میں عناصر جو تقریباً ایک کم سو ہیں جو قابل تقسیم ہیں یعنی ہر عنصر (ایلیمنٹ) اپنے اندر مالیکیول (سالمات) اور ایٹم (مرکزی ذرہ) رکھتا ہے۔ اور پھر یہ ذرات الیکٹرون (برقیات) میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ کچھ بھی تسلیم کر لیں۔ موالید ثلاثہ اور انسان میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ گویا برقی ذرات کا ایک سمندر ہے جو مختلف اجسام میں بند بھی ہے اور ان کا آپس میں تعلق بھی ہے البتہ یہ حقیقت پردہ راز میں ہے کہ ان اجسام میں احساس و ادراک اور تصدیق کی قوت اور ان کا کمال کیسے پیدا ہوتا ہے۔ جن کی وجہ سے جمادات و نباتات، حیوان و انسان، آدمیت و بشریت اور نبوت کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زمین سے آسمان تک ہر ذرہ منظم و منضبط اور مقررہ اصولوں کے مطابق قانون فطرت میں رواں دواں ہے اس لئے اس دنیا میں جو افعال سرزد ہوتے ہیں جن میں وبائیں و سیلاب، اور جنگ و زلزلے وہ سب بغیر قانون، اصول اور نظم و ضبط کے نہیں آتے اور موجودہ دور کا علم موسمیات بھی اس کی بہت حد تک تصدیق کرتا ہے۔ اس لئے وباؤں کو ہنگامی امراض نہیں خیال کرنا چاہئے بلکہ کائنات و زندگی اور نفس و آفاق کو قائم رکھتے ہوئے وباؤں کو بھی ان کے تحت قوانین اور اصول میں فٹ کرنا چاہیے تاکہ وباؤں اور آفات کے حادثات کا صحیح علم اور اس کی حکمت کا پتہ چل جائے۔ قانون فطرت کو سمجھنے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی خلاف ورزی عملاً یا جہلاً کرنے کے بعد اس کے نظم و ضبط میں خرابی واقع ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں فطرت میں ایک رد عمل ہوتا ہے اور یہ رد عمل اس طاقت کی طرف سے عمل میں آتا ہے جو اس قانون فطرت کو چلا رہی ہے جس کو مدبر عالم یا روح عالم کہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے طبیعت مدبرہ بدن یا نفس جسم انسانی کو ایک قانون کے تحت نظم و ضبط میں رکھتا ہے جس کو طبی روح



کہتے ہیں۔ جب انسانی جسم کے نظام میں کوئی خرابی واقع ہوتی ہے تو مدبرہ بدن اس کی اصلاح کرتی ہے۔ اسی انسانی روح کو آیورویدک میں آتما اور روح عالم مہاتما کہا جاتا ہے ان دونوں کا آپس میں ایسا ہی گہرا تعلق ہے جیسے نفس و آفاق کا تعلق ہے۔

جس طرح جسم انسان کے افعال میں فطرت کے خلاف صورتیں واقع ہوتی ہیں تو امراض پیدا ہوتے ہیں جس کے لئے مدبرہ بدن یا نفس حرکت میں آتا ہے بالکل اسی طرح جب کائنات میں خرابی واقع ہوتی ہے تو روح عالم یا آفاق میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اگر جسم کے افعال کی خرابی کو ہم امراض کہتے ہیں تو کائنات کے بگاڑ کو ہم وبائیں کہہ سکتے ہیں۔ جسم اور کائنات کے بعد بگاڑ تو ایسے معمولی ہوتے ہیں کہ ان کی مدبرہ بدن اور مدبرہ عالم اصلاح کرتے رہتے ہیں مگر جب جسم یا کائنات میں فساد اور تعفن واقع ہو جاتا ہے تو اس کی اصلاح کے لئے شدید جدوجہد کرنی پڑتی ہے وہ فساد اور تعفن جسم اور کائنات میں غیر معمولی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ یہی فطرت کی عمداً یا جہلاً خلاف ورزی ہی گناہ ہے جس کا کفارہ فوراً قانون فطرت کی طرف لوٹتا ہے۔

## عطایانہ علاج

اصولی علاج بھی اسی صورت کا نام ہو سکتا ہے کہ انسانی مشین کے ہر پرزے (عضو) کے افعال، اس کی خرابیوں اور اس کے اندر غذائی (انرجی) صورتوں کا باقاعدہ علم ہو۔ لیکن جب جسم انسان میں کوئی مرض نمودار ہو جیسے بخار، درد یا ورم وغیرہ۔ ان امراض کے علاج میں عام طور پر بغیر کسی تخصیص کے ان کے دفعیہ کے لئے دوائیں استعمال کر دی جاتی ہیں یا بعض سمجھدار معالج ان امراض میں اتنی خصوصیت برتتے ہیں کہ اس مرض کی صحیح قسم تلاش کرتے ہیں جیسے بخاروں میں ملیریا (تپ صفراوی) انفلوئنزا (تپ نزلی)، ٹی۔بی (تپ دق) وغیرہ۔ اسی طرح دردوں اور ورموں کی بھی تخصیص کر لیتے ہیں۔ لیکن علاج کی اس صورت کا نام بھی باقاعدہ اور سسٹومیٹک علاج نہیں ہے۔ (باقی صفحہ ۱۷۴ پر ملاحظہ فرمایئے)

اس قسم کے علاج کو آپ خاص قسم کا اصول تو کہہ سکتے ہیں مگر باقاعدہ
مشینی علاج کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مشین کی خرابی اور بگاڑ کا پتہ
چلائے بغیر اس کی ایک علامت کو رفع کرنے یا حالت کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے جیسے
کسی ایک مشین پر جو چلتے چلتے گرم ہو گئی ہو ٹھنڈا پانی پھینک دینا حالانکہ اس کے گرم ہونے کا
سبب ممکن ہے (لبریکیشن) تیل کی کمی ہو، شاید پٹرول ضرورت سے زیادہ جل رہا ہو اور یہ بھی ہو
سکتا ہے کہ اس کا وہ آلہ ہی خراب ہو گیا ہو جو زیادتی حرارت کو اعتدال پر رکھتا ہے بہرحال
مشین کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کے پرزوں اور نظام کو دیکھا جانا ضروری ہے تاکہ حقیقت
تک پہنچا جا سکے اور اس پر صرف ٹھنڈا پانی ڈال دینا ہر صورت میں غلط ہوگا اسی طرح اگر
مشین میں کسی مقام پر تیل ٹپک رہا ہو تو صرف باہر ہی سے کوئی لیپ کر دینا یا ٹاٹ لگا دینا یا اگر
کہیں سے غیر معمولی آواز آ رہی ہو تو اس کو دبانے کی کوشش کرنا حقیقت میں مشین کو درست
کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو خراب اور برباد کرنا ہے۔

فرنگی طب میں اسی غلط صورت کو اپنایا جا رہا ہے۔ مریض اگر بخار کی شکایت کرتا ہے تو
اس کو بخار کم کرنے کی دوا دے دی جاتی ہے یعنی اس پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا جاتا ہے بعض دفعہ
وقتی طور پر اس کیلئے مفید بھی ہو سکتا ہے مگر آئندہ اس کیلئے سخت نقصان رساں ثابت ہوگا۔
اسی طرح درد میں مسکنات اور ورم میں محذرات کو بے تکلف برتا جا رہا ہے۔ گویا نہ مریض کا
علاج کیا جاتا ہے اور نہ مرض کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ مریض کی ایک علامت کے دبا
دینے کو علاج قرار دے دیا جاتا ہے۔ پھر ماشاء اللہ آجکل مجربات علاج اور پیٹنٹ ادویہ کا ایسا سلسلہ
چل نکلا ہے کہ ہر شخص ان قدیم مجربات اور مغربی پیٹنٹ ادویات کا نہ صرف شکار ہے بلکہ مزاج تجو
کے ساتھ ساتھ روز بروز اپنی صحت کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ جب ان ادویات کے مسلسل استعمال
سے اپنے جسم کو ناکارہ کر لیتا ہے تو پھر ڈاکٹر اور اسکے طریق علاج کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔

## صحیح علاج

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کبھی مرض کا علاج نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ مریض کا علاج ہوتا
ہے جس کیلئے لازمی ہے کہ مریض کے جسم (مشینری) کے ہر عضو پر نئے سرے کا
بغور معائنہ اور مطالعہ کیا جائے۔ اسکے افعال کی کمی بیشی اور عضو کی خرابی کے ساتھ ساتھ غذائی (بے



باقاعدگی کو خاص طور پر جانچا جائے اور پھر اسکا علاج اس طرح کیا جائے کہ جسم کے جن اعضاء
کے افعال میں کمی بیشی ہو انکو اعتدال پر لایا جائے اور جو عضو بذات خود کمزور یا زخمی ہو گیا ہو
اسکو درست کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں خون کا جو دور چل رہا ہے (غذائی صورت) اسکو
درست کیا جائے جس کیلئے خون کے کیمیاوی اجزا کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔ اس طرح ایک مریض کا
ایک علاج ممکن ہو سکتا ہے اور یہی باقاعدہ علاج کہلانے کا مستحق بھی ہے۔

فرنگی طب میں جو امراض کے نام رکھے گئے ہیں وہ صرف علامات ہیں کوئی خاص مرض نہیں کہلا
سکتے کیونکہ ایک علامت کے پیدا ہونے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً بخار سردی سے بھی ہوتا ہے اور گرمی
سے بھی بخار درد سے بھی ہوتا اور ورم سے بھی۔ بخار میں کبھی قبض ہوتی ہے کبھی اسہال ہوتے ہیں۔
اسی طرح بخار میں کبھی شدید پیاس ہوتی ہے اور کبھی پیاس کا نام تک نہیں ہوتا۔ بعض صورتوں میں
بخار میں شدت ہوتی ہے اور دیگر علامات برائے نام ہوتی ہیں اور بعض وقت بخار کی نسبت دیگر کوئی
علامت شدید تکلیف دے رہی ہوتی ہے جیسے درد یا گھبراہٹ کا ہونا وغیرہ۔ اسلئے ہم کسی ایک علامت
کو یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ فلاں مرض ہے اور باقی علامات ہیں۔ عام طور پر جس علامت میں شدت ہوتی
ہے اسکو مرض اور باقی خفیف تکالیف کو علامت کہہ دیا جاتا ہے۔

لیکن حقیقت میں مرض تو صرف کسی عضو کی خرابی اور بگاڑ کا نام ہے جب کسی عضو کے افعال میں کمی بیشی
یا اسکی ساخت میں خرابی واقع ہوتی ہے تو اس صورت میں وہ اپنے معین اعمال انجام نہیں دے سکتا یعنی
اپنے فرائض تغذیہ و تصفیہ اور تنقیہ کو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ دوسرے لفظوں میں وہ عضو اپنی خرابی کی
وجہ سے نہ غذا کو خون میں صحیح طور پر تبدیل کر سکتا ہے نہ اپنے حصہ کے خون کو صاف کر سکتا اور نہ ہی اپنے
اندر کے فضلات کو خارج کر سکتا ہے۔ اس صورت میں جہاں کہیں اسکے فعل کی کمی سے مواد رک جاتے ہیں
یا فعل کی زیادتی سے مواد کا اخراج بڑھ جاتا ہے یا اسکی ساخت کی خرابی سے خود اسمیں کسی مواد کی رکاوٹ
سے فساد یا خمیر پیدا ہو کر زہریلی صورت اختیار کر لیتا ہے جسکے نتیجہ کے طور پر جسم میں مواد پیدا ہو جاتا ہے یا
تخمیر اور تعفن کی صورت میں جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر جیسے چینی، درد، سوزش،
ورم اور بخار کی صورت واقع ہو جاتی ہے۔ ہر علامت میں یہی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اب ہر صاحب علم
اور عقلمند شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ اصل مرض خرابی اعضاء ہے یا کوئی علامت وغیرہ۔ پھر اگر کوئی اس

مخصوص عضو کی درستی کی بجائے صرف بخار درد اور سوزش و ورم وغیرہ علامات کا علاج شروع کر دے تو مریض کو کہاں تک شفا ہو سکتی ہے؟

## طبِ یونانی کا کمال

کسی طب کا اصولی بن (پرنسپل)، و باقاعدگی (سسٹومیٹک) اور فطری (نیچرل) طریقِ علاج یہ ہے کہ اسمیں مشینی اور کیمیاوی صورتیں دونوں ساتھ ساتھ پائی جائیں۔ لیکن طب یونانی کا کمال یہ ہے کہ اس میں کیمیاوی و مشینی (عضوی و اخلاطی)۔ صورتوں کے علاوہ کائنات کے ارکان و امزجہ اور قویٰ و ارواح کی تمام صورتیں بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔ گویا زندگی اور کائنات کے ذروں کو ایک دوسرے میں سمو دیا ہے۔ یعنی اگر کائنات کا ذرہ بھی حرکت کرے تو زندگی پر اثر انداز ہو اور اگر زندگی کے ذرے میں حرکت پیدا ہو تو کائنات تک اثر کرے۔ اسلئے حکماء نے طب قدیم میں طب کی ابتداء ایسے امور سے کی ہے جن کا تعلق ایک طرف کائنات سے ہے اور دوسری طرف زندگی کے حقائق کے ساتھ ہے۔ ان کا نام امورِ طبیعیہ رکھا گیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں فرنگی طب کے بے اصولا پن و بے قاعدگی اور غیر فطری طریق علاج پر تفصیل سے بحث کی ہے، پھر انکی جراثیم تھیوری کو ہر پہلو سے غلط ثابت کیا ہے۔ اس کے ساتھ امور طبیعیہ کی حقیقت اور انکی فن علاج میں شدید ضرورت کو بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ فرنگی طب کے ان اعتراضوں کا جو طب قدیم پر ہیں تسلی بخش جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ طب قدیم اصولی و باقاعدہ اور فطری طریق علاج ہے اور اسکے مقابلے میں فرنگی طب کا طریق علاج عطایانہ اور غلط ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے فرنگی طب کے غلط طریقہ علاج اور عطایانہ صورتوں کو پورے طور پر سمجھ لیا جائے گا۔ اور یہ کتاب طبی دنیا میں ایک سنگ میل ثابت ہو گی اور یہی ہمارا مقصد بھی ہے۔

**ہنگامی حالات:۔** گذشتہ ۶ ستمبر کو بھارت نے پاکستان پر بغیر اعلان جنگ لاہور پر تین طرف سے حملہ کر دیا تھا اور ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا تھا لیکن باوجود اس شدید جنگ کے اہل لاہور پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ لاہور کی زندگی معمول کے مطابق بڑے جوش و خروش سے چلتی رہی۔ ہم بھی گولوں کی گن گرج اور ہوائی جہازوں کے سایوں میں بیٹھے کام کرتے رہے ستمبر کا پرچہ وقت پر شائع کیا گیا اور اب اکتوبر نومبر کا خاص نمبر پہلے سے بھی زیادہ ضخیم شائع کر رہے ہیں جسکو پڑھ کر طبی دنیا دنگ رہ جائے گی۔

خداوند کریم کے خاص فضل و کرم سے پاکستان کو نہ صرف شاندار فتح نصیب ہوئی ہے بلکہ ساری کی قوم یکسر بدل گئی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ آج سے صرف ڈیڑھ ماہ پہلے جو قوم تھی کیا یہ وہی قوم ہے اب تمام دنیا میں اس قوم اور ملک کی وہ عزت اور شان پیدا ہو گئی ہے جسکا الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ الحمد للہ

(صابر ملتانی ——— ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

# مُقدّمہ

ایک " دانشور" اور " فنکار" نے بگلا پکڑنے کا طریق یہ بتایا تھا کہ جب وہ دھوپ میں کھڑا ہو تو اس کے سر پر جا کر موم رکھ دینی چاہیئے۔ موم دھوپ کی گرمی سے پگھل کر اس کے پروں اور آنکھوں پر جم جائے گی اور وہ اڑنے کے ناقابل ہو جائے گا۔ البتہ دوڑنے کے پھر بھی قابل ہوگا۔ اس لئے اسے پکڑنے کے وقت چند آدمی ہمراہ لے لئے جائیں تاکہ وہ بھاگ کر کہیں نہ جا سکے۔ اس کے ساتھ اس کا بھی خیال رہے کہ موم جب تک پگھل نہ جائے، اس کے سر پر قائم رہنی چاہیے۔ اور گر پڑنے کی صورت میں دوبارہ سر پر رکھ دینی چاہیئے۔ اگر وہ موم کے پگھلنے سے قبل ہی اڑنا شروع کر دے تو حزن و یاس کے ساتھ اس کی طرف تکتے رہیئے۔ اس پر عرض کیا گیا کہ کیوں نہ موم سر پر رکھتے وقت ہی پکڑ لیا جائے تو اس " دانشور" اور آرٹ کے دلدادہ نے جواب دیا کہ ہو تو یوں بھی سکتا ہے مگر اس میں استادی کیا ہوئی اور فن اور آرٹ کی نمائش کیسے ہوگی حالانکہ کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے یہی صورت ایلوپیتھی (طب فرنگی) کی ہے۔ وہ مرض پر قابو پانے کی بجائے پہلے جراثیم پر قابو پانا چاہتی ہے اور جب، جراثیم فنا ہو جاتے ہیں تو مرض کو رفع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر جراثیم فنا نہ ہو سکیں تو پھر مرض کو رفع کرنے کی کوشش بھی بے سود ہوتی ہے۔ گویا جراثیم کو فنا کرنا ان کے نزدیک ایسا ہی اہم ہے جیسے بگلے کے سر پر موم رکھ کر اس کو پہلے اندھا کرنا اور اڑنے کے ناقابل بنانا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی مرض کا علاج بغیر جراثیم فنا کئے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ جراثیم کو جسم کے اندر کوئی دوا فنا نہیں کر سکتی بلکہ ان کو فنا کرنے کے لئے ہمارے جسم کے اندر کئی کارخانے، مشینیں اور قوتیں قدرتی طور پر کام کر رہی ہیں جو ان کو ضرورت کے مطابق خود بخود فنا کے گھاٹ اتارتی رہتی ہیں۔ جب یہ

فیکٹریاں اور قوتیں کبھی کمزور پڑ جاتی ہیں تو جسم میں بعض قسم کے مواد اکھٹے ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان میں خمیر اور جراثیم پیدا ہو کر زہر بن جاتا ہے اور باعث مرض ہوتا ہے بعض اوقات بعض قسم کے جراثیم جسم میں داخل ہو کر ان کارخانوں اور قوتوں پر اثرانداز ہو کر ان کو کمزور کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کی پیدائش و افزائش زیادہ ہو جاتی ہے اور پھر ان میں خمیر اور زہر پیدا ہو کر باعث مرض ہوتا ہے۔ گویا ہر مرض میں تین صورتوں میں سے ایک نہ ایک ضرور ہوگی۔ (۱) جسم میں کسی مواد کے رک جانے سے وہاں پر خمیر کی صورت ہو کر جراثیم پیدا ہو جائیں جن کا نتیجہ زہر ہے (۲) جراثیم فنا کرنے والی فیکٹریاں اور قوتیں کمزور پڑ جائیں جس کے نتیجہ میں جراثیم کا فنا ہونا مشکل ہو جائے اور وہ جسم کے اندر اکھٹے ہو کر اپنا کام شروع کر دیں (۳) جراثیم کا جسم پر مسلسل حملہ اعضاء جسم اور قوت کو کمزور کر دے اور اس طرح جراثیم اندر جمع ہو کر افزائش نسل کے بعد اپنا زہر پیدا کر لیں اور باعث امراض ہوں۔ غرض ان تینوں صورتوں میں جب جسم کے اندر مرض پیدا ہوتا ہے تو اس میں جراثیم، قوت جسم اور اعضائے جسم تینوں کا اشتراک ہوتا ہے۔ فقط جراثیم کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جراثیم اس میں سوائے علامت کے کوئی نمایاں حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان کی وہی حیثیت ہے، جو مواد کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جراثیم صرف زندہ مواد ہیں جو کبھی مواد کو زہر میں اور کبھی زہر کو مواد میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اصل حیثیت اعضائے جسم اور قوت جسم کی ہے جب تک اعضائے جسم انسانی اور قوت اپنے صحیح عمل اور حالت میں ہوں تو نہ تو جراثیم ہی جسم میں اثر انداز ہو سکتے اور نہ کہیں مواد پیدا ہو سکتا ہے۔ نیز ایسی صورت میں مواد کے رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

## ایلوپیتھی کی غلط فہمیاں

ایلوپیتھی کو یہ غلط فہمی ہے کہ امراض صرف جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کو فنا کئے بغیر مرض رفع نہیں ہو سکتا۔ فرض کر لیا جائے کہ درست ہے۔ لیکن ہمارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جرم کش ادویہ کے استعمال سے جسم کے اندر جراثیم مر جاتے ہیں اور ان کا اثر صرف جراثیم پر ہوتا ہے۔ اعضائے جسم اور قوت جسم پر نہیں ہوتا اور پھر اس بات کو بھی فرض کر لیا جائے کہ ادویات کا اثر صرف جراثیم پر ہوتا ہے اعضائے جسم و قوت جسم پر نہیں ہوتا اور جراثیم فنا ہو جاتے ہیں (اگرچہ ان دونوں مفروضوں کو سائنس تسلیم نہیں کرتی) لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف جراثیم کو فنا کر دینا ہی علاج ہے۔ ان کا بدن سے اخراج اور آئندہ کے لئے پیدائش روکنا علاج میں داخل نہیں ہے (اس مسلم حقیقت سے انکار مشکل ہے) اگر دونوں صورتیں علاج میں داخل ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ فنا شدہ جراثیم اعضا کی درستی کے بغیر نہیں نکل سکتے اور نہ بغیر قوتِ جسم آئندہ کے لئے ان کی پیدائش رک سکتی ہے ایلوپیتھی صرف جراثیم کو ہی بیماری کا باعث اور ان کو فنا کر دینا ہی علاجِ مرض خیال کرتی ہے۔ یہ دونوں باتیں نہ صرف غلط بلکہ غیر علمی (ان سائنٹیفک) ہیں۔

## کیا صرف جراثیم ہی باعثِ مرض ہیں؟

اب ذرا ایک اور انداز سے اس امر پر غور کریں کہ کیا صرف جراثیم ہی باعث مرض ہیں؟ اس امر میں شک نہیں کہ جراثیم باعث مرض ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ اور باتیں بھی باعث امراض ہو سکتی ہیں جیسے کیفیاتی اسباب۔ (گرمی، سردی، خشکی تری حرکت اور سکون کی کمی بیشی) نفسیاتی اسباب (غم، غصہ، مسرت، لذت اور خوف و پشیمانی وغیرہ) مادی اسباب (ماکولات، مشروبات اور گیس کے اثرات وغیرہ) جن کی تفصیل باعث طوالت ہوگی۔ پھر صرف جراثیم کو ہی باعث مرض قرار دینا کہاں کی ص، افذ، اور کہاں کا علمی نظریہ ہے۔ یہ سب ایلوپیتھی کے غیر علمی ہونے کی شہادتیں ہیں۔

پھر اسباب کے متعلق یہ جان لینا ضروری ہے کہ سبب بیماری کا محرک تو ہوتا ہے خود مرض نہیں ہوتا یعنی یہ سبب کسی جگہ اثر کرتا اور کسی مقامِ جسم یا عضو جسم میں تبدیلی پیدا

کرتا ہے۔ جس سے افعالِ اعضا غیر معتدل اور مقامِ جسم کی حالت متغیر ہو جاتی ہے اور اسی حالت کا نام مرض ہے۔ اس لئے طبی اصطلاح میں سبب کو اسباب سابقہ یا بادیہ کہتے ہیں۔ اسباب واصلہ یا فاعلہ نہیں کہتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جراثیم اسباب سابقہ اور بادیہ میں سے تو ہو سکتے ہیں لیکن اسباب واصلہ یا فاعلہ نہیں ہو سکتے۔ جن کے اثر کے بعد مرض پیدا ہو۔ اور اسباب بادیہ وسابقہ چاہے وہ جراثیم ہی کیوں نہ ہوں وہ اعضا کے فعل کی خرابی اور قوتِ جسم کی کمزوری کا باعث تو ہو سکتے ہیں، مرض کا سبب نہیں بن سکتے۔ کیونکہ اگر اعضا تندرست اور قوتِ جسم مضبوط ہو تو کسی قسم کے جراثیم یا دیگر اسباب سابقہ اور بادیہ جسم میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتے۔

پھر ایک اور پہلو سے نظریہ جراثیم پر غور کریں اور دیکھیں کہ کیا جرم کش ادویہ دافع امراض ہیں؟ جن ادویہ کے متعلق برٹش فارماکوپیا اور میڈیکل کونسل جنرل فیصلہ دیتی ہے کہ فلاں دوا فلاں مرض کے جراثیم ہلاک کرتی ہے پہلے ان ادویہ کو جسم سے باہر جراثیم پر ڈال کر ہلاک کر کے دیکھا جاتا ہے لیکن جاننا چاہیے کہ جسم سے باہر کسی دوا کا جراثیم کو ہلاک کرنا اور ہے اور جسم کے اندر ان کو فنا کرنا کارِ دیگر ہے۔ جرم کش ادویہ کے استعمال پر دو اعتراض پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ جرم کش ادویات جسم میں داخل ہو کر فوراً جراثیم کو ہلاک کرنا شروع نہیں کر دیتیں بلکہ ان کا اثر پہلے خون اور متعلقہ اعضا پر پڑتا ہے۔ پھر وہ اعضا اپنے دافع زہر لعابات (سیکریشن ) سے ان جراثیم یا گندے مواد (سپٹک ______) کو تباہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دوا زیادہ تیز داخل جسم کر دی جائے تو اول وہ کریاتِ خون خاص طور پر سفید کریات (وائٹ کارپلز ______) کو فنا کرنا شروع کر دیتی ہے جس سے بجائے جراثیم کے مریض خود ہلاک ہو جاتا ہے۔ طبی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور روزانہ کے واقعات اس پر گواہ ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کسی جرم کش دوا سے مریض کو فائدہ ہو بھی جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ

دوا نے صرف جراثیم کو ہلاک کیا ہے یا اعضائے جسم میں تغیر وتبدل اور خون وجسم کی قوت کو قوی ومضبوط بھی کیا ہے۔ اگر صرف جراثیم کو فنا کیا ہے تو یقیناً وہ دوا جرم کش ہے لیکن دوسری صورت میں دوا نہیں بلکہ اعضائے جسم اور قوتِ جسم ان کو فنا کر کے صحت کا باعث ہوئی ہے۔

## ایک ہی جرم کش دوا ہر قسم کے جراثیم کو ہلاک کیوں نہیں کرتی

آیئے اس نظریہ جراثیم کو ایک اور اصول سے بھی پرکھیں تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ سو جاننا چاہیئے کہ جب سائنس ایسی دوا اور طریق معلوم کر چکی ہے جس سے ہر قسم کے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں تو پھر کیوں نہ ایک دوا منتخب کر لی جائے جو ہر قسم کے جراثیم کو ہلاک کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب ہو اور اسی سے اندرونی طور پر ہر قسم کے مرض کا علاج کر لیا جائے۔ جیسے بیرونی طور پر ایک ہی دوا کو دافع تعفن (ANTISEPTIC) کے طور پر استعمال کر لیا جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً ہر مرض کے لئے جدا جدا دافع جراثیم دوائیں ہیں بلکہ ایک مرض کے لئے کئی کئی ادویات استعمال کی جاتی ہیں۔ اکثر ان سب کے استعمال سے بھی فائدہ نہیں ہوتا اور دن رات دیگر جراثیم کش ادویات کی تلاش جاری ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ جراثیم تھیوری بالکل غلط اور ایلوپیتھی بالکل غیر علمی طریق علاج ہے۔ مرض کو جب بھی آرام آتا ہے تو جراثیم کش ادویہ کے استعمال سے نہیں بلکہ ان ادویہ کے استعمال سے آتا ہے جو جسم انسان کے اعضا کو درست اور قوت کو مضبوط بنائیں۔

## جراثیم کش ادویہ جب ناکام ہوتی ہیں

مندرجہ بالا حقائق کے علاوہ ایک اور حقیقت پر بھی غور کریں تاکہ نظریہ جراثیم اور ایلوپیتھی کی ناقص اور غیر علمی تمام صورتیں سامنے آجائیں۔ ہر ایلوپیتھی کا حامل (ڈاکٹر) جب جرم کش ادویات پہ ادویات استعمال کرتا ہے مگر مرض میں تخفیف نہیں ہوتی تو پھر

معروف عطایانہ اور عطارانہ طریق علاج اختیار کرتا ہے۔ یعنی مریض کی بیان کردہ حقیقت کے مطابق کبھی قبض کشا دوا سے اندرونی مواد کو خارج کرتا ہے۔ کبھی مدرات سے حرارت دور کرتا ہے اور گاہے محرکات کے استعمال سے اس کا بخار دور کرتا ہے۔ اسی طرح قے آور ادویہ سے معدہ صاف کرتا اور مخدر و مسکن ادویات سے درد دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طریق سے بعض اوقات متعلقہ اعضا اتفاقاً درست ہو جاتے ہیں اور مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر فخر کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس نے اندھیرے میں تیر چلائے ہیں۔ جب کبھی اس طریق سے بھی آرام نہیں آتا تو پھر آخری تیر چلاتا ہے۔ یعنی مقوی جسم و مولد خون ادویات کا استعمال شروع کر دیتا ہے اور مریض کو بھی مقوی اغذیہ خصوصاً چاہے وہ جماداتی، نباتاتی ہو یا حیوانی کے کھانے پر زور دیتا ہے۔ کبھی کبھی تلخ مقویات استعمال کرتا ہے جن میں ارزاقی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس طرح بھی بعض اوقات آرام آ جاتا ہے۔ اس پر پھر ڈاکٹر اپنی کامیابی پر ناز کرتا ہے لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ یہ طریقہ علاج علمی اور سائنسی نہیں بلکہ خالص عطایانہ اور عطارانہ ہے۔ اس نے کامیابی نہیں بلکہ فنی طور پر گناہ اور فن کی تذلیل کی ہے۔ کیونکہ اس کی علمی اور اصولی صورت کو چھوڑ کر ایک آرٹ کے حسن کو فنا کر دیا ہے۔ اس کو تو اس اصول کی پیروی کرنی چاہئے تھی کہ مریض مرتا ہے تو مر جائے مگر وہ اپنا اصول اور علمی نظریہ ترک نہیں کرے گا۔ اگر یہ کام خلق کی ہمدردی کے طور پر کیا ہے تو آرٹ کے حسن پر ظلم کیا ہے۔ لیکن وہ مجبور ہے کیونکہ مریضوں کے آرام نہ آنے سے اس کے پاس مریض نہیں آتے اور اس طرح کاروبار خراب ہوتا ہے۔ اے کاش! وہ کبھی اس امر پر بھی غور کرتا کہ اس کا اصولی علاج بالکل غیر علمی، بے اصولا و لایعنی ہے۔

## غیر جراثیمی امراض

اب ذرا ایک اور پہلو سے غور کریں کہ بلاشک و شبہ ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں امراض ایسے ہیں جو بغیر جراثیم کے پیدا ہوتے ہیں اور ان کا علاج بھی بغیر جراثیم کش ادویہ سے محض ادویہ کے خواص کو مدنظر رکھ کر عطایانہ و عطارانہ طور پر کیا جاتا ہے۔ کبھی خون کو صاف کیا جاتا ہے اور کبھی اسے طاقت دی جاتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جراثیمی امراض سے غیر جراثیمی امراض بہت زیادہ ہیں۔ جیسے کیفیاتی اور نفسیاتی امراض۔ کیمیاوی امراض (جن میں خون کے قوام میں بعض عناصر کی کمی بیشی ہو جاتی ہے)، ضعف کے امراض مثلاً دل و دماغ اور جگر کا کمزور ہو جانا اور اسی طرح پٹھوں کی کمزوری اور حرارت کی کمی سے پیدا ہونے والے امراض وغیرہ جن کی فہرست آئندہ صفحات میں دی جائے گی۔ یہ تمام امور اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ ایلوپیتھی ایک غیر علمی اور غیر سائنسی طریق علاج ہے اور اس کو جلد از جلد چھوڑ دینا چاہئے۔

## فوری امراض

یہ حقیقت تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے کہ فوری طور پر پیدا ہونے والے امراض جیسے چوٹ، زخم، ڈوبنا، گیس چڑھنا، زہر کھانا، اچانک بے ہوشی و غشی اور زہریلے جانوروں کا ڈسنا وغیرہ میں فوری طور پر کوئی جراثیم نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے علاج میں دافع جراثیم ادویات استعمال کی جاتی ہیں بلکہ متعلقہ علامات کو عام طور پر حالت جسم کو مدنظر رکھ کر مسکن و مخدر، محرک و مقوی اور دافع زہر و تریاق استعمال کئے جاتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان امراض میں سبب کا علم نہیں ہوتا مگر ظاہرہ علامات کو سامنے رکھ کر علاج کیا جاتا ہے اور بعد میں اگر ضرورت ہو تو اسباب کو مدنظر رکھ کر اس کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس تمام عرصہ میں جراثیم کا تصور تک بھی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ حقیقی مشاہدہ اور تجربہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ صرف جراثیم ہی باعث امراض نہیں بلکہ دیگر اسباب بھی موجب امراض ہوتے ہیں۔

## عناصر کی کمی بیشی

جب انسان کے خون و بلغم اور پیشاب و پاخانہ کا کیمیاوی معائنہ کیا جاتا ہے تو اس میں جراثیم کے علاوہ ان مختلف عناصر کی بھی کمی بیشی پائی جاتی ہے جن سے جسم انسان مرکب ہے جیسے کیلشیم، فیرم اور سلفر و فاسفیٹ وغیرہ اور ان کی کمی بیشی بھی باعث مرض ہوتی ہے اور ان کے اعتدال پر لانے سے مرض

کو آرام آجاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایسی اغذیہ جن میں ترشی و کھارا اور مٹھاس ونمک کی زیادتی ہو تو کھانے سے بھی امراض پیدا ہوتے ہیں اوران کے اعتدال سے امراض رفع ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جراثیم کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کیا اس امر سے ثابت نہیں ہوتا کہ صرف نظریہ جراثیم کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

## دو یا تین امراض

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرض کے ساتھ ہی دوسرا اور تیسرا مرض بھی پیدا ہو جاتا ہے جیسے نزلہ زکام اور ذات الجنب کے ساتھ ہی اسہال وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں بلکہ آگے چل کر ٹی بی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انفلوئنزا، محرقہ اور سرسام وغیرہ اکھٹے ہو جاتے ہیں بلکہ مریض اگر بچ جائے تو سل میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ان میں ہر مرض کے جراثیم جدا جدا ہیں۔ بتایا جائے کہ ایسی حالتوں میں تشخیص و علاج کی کیا صورت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ڈاکٹر پریشان ہو جاتے ہیں اور عموماً علامات کو ہی مدنظر رکھ کر علاج کرتے ہیں جن میں اکثر ناکامی ہوتی ہے۔ کیا اب بھی اس امر میں شک رہتا ہے کہ نظریہ جراثیم بالکل غلط اور ایلوپیتھی طریقہ علاج بالکل غیر اصولی و غیر علمی ہے۔

## ایک قسم کے جراثیم کے مختلف امراض

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک قسم کے جراثیم جب مختلف اعضا پر اثر انداز ہوتے ہیں تو مختلف قسم کے امراض پیدا کرتے ہیں مثلاً گونوریا کے جراثیم سے سوزش مثانہ، سوزش کلیہ، سوزش ریہ اور سوزش چشم وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں لیکن علاج کی صورت میں ہم دیکھتے کہ ہر مرض اور ہر عضو کے علاج میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف صورتیں اختیار کی جاتی ہیں بلکہ بعض صورتوں میں متضاد صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ مثلاً سوزاک اور سوزش مثانہ میں مدرات۔ گردوں کی سوزش میں محللات اور نمونیا و سوزش چشم وغیرہ میں محرکات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ صرف جرم کش ادویہ کے استعمال سے تمام امراض کو آرام نہیں آتا۔ یہ امور اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ ایلوپیتھی میں کہیں بھی ایک اصول کام نہیں کرتا اور وہ محض



ایک عطائیانہ طریق علاج ہے۔

## ایک مرض یا عضو میں مختلف قسم کے جراثیم

مندرجہ بالا صورت کے برعکس یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک عضو کی خرابی یا ایک خاص مرض کی پیدائش میں مختلف اقسام کے جراثیم اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہاں معالج کے لئے یہ امر باعثِ مصیبت بن جاتا ہے کہ وہ علاج میں کیا طریق اختیار کرے کیونکہ ہر قسم کے جراثیم کے لئے جدا قسم کی دوا مقرر ہے اور وہ جب تک لیبارٹری میں اس کا تیقن نہیں کر لیتا، کوئی دوا نہیں دے سکتا۔ اور بغیر تشخیص کے دوا دینے میں نقصان اور زہریلے اثرات کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ معائنہ جراثیم میں غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور مریضوں کو غلط ادویہ دے کر یا غلط اپریشن کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تقسیم ہند سے قبل کا واقعہ ہے کہ سنٹرل جیل کے ایک ہندو اسسٹنٹ جیلر کی لڑکی آنتوں کے مرض میں گرفتار ہوئی۔ مختلف علاج کرانے کے بعد جب آرام نہ ہوا تو اس وقت کے میو ہسپتال کے سرجن انچارج کرنل میراجکر کو دکھایا گیا۔ چونکہ لڑکی کو زائدہ اعور کے مقام پر درد اور بخار تھا اس لئے انہوں نے ورم زائدہ اعور تجویز کر کے اپریشن کر دیا۔ مگر لڑکی کو نہ درد کا آرام آیا اور نہ بخار اترا۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے دوسرا اپریشن کر دیا مگر آرام کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ مجھے لڑکی کو ہسپتال میں دکھایا گیا لیکن مرض کے متعلق کچھ نہ بتایا گیا۔ میں نے جا کر نبض دیکھی اور دو منٹ کے بعد ان سے کہا کہ لڑکی کو آنتوں کی ٹی بی ہے اور اس کے غدد متورم ہیں۔ اتفاق سے میرے جانے سے نصف گھنٹہ قبل ہسپتال کی طرف سے نیا نتیجہ لڑکی کے ایک رشتہ دار کو جو اس کا نگران تھا سپرد کیا گیا تھا۔ وہ میری طرف حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس نتیجہ کا لڑکی کے والد کو کوئی علم نہ تھا۔ اس نے اس نگران سے وجہ حیرت دریافت کی تو اس نے بتلایا کہ ابھی ابھی ڈاکٹر میراجکر کی طرف سے نیا نتیجہ آیا ہے جو انہوں نے کل کے معائنہ

سے نکالا ہے اور اس میں بھی ٹی بی گلینڈ کا ورم بتایا گیا ہے۔ لڑکی کا باپ اس سے بہت خوش ہوا اور ساتھ ہی بڑے جوش اور حیرت سے کہنے لگا کہ کتنا ظلم ہے کہ سات ماہ کے بعد اور دو دفعہ اپریشن کرنے کے بعد ڈاکٹر کو آج معلوم ہوا ہے کہ لڑکی کو ورم زائدہ اعور نہیں بلکہ ٹی بی گلینڈ کا ورم ہے اور میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے صرف نبض دیکھ کر (بغیر پیشاب وغیرہ دیکھے) دو منٹ میں صحیح مرض بتا دیا ہے۔ چنانچہ وہ لڑکی کو گھر لے گیا اور وہاں پر میرا علاج کرایا۔ اس داستان سے مقصود صرف یہ ہے کہ بڑے سے بڑے ڈاکٹر بھی کیمیادی آلات کی مدد سے تشخیص کرتے ہوئے غلطی کر جاتے ہیں اور غلط علاج شروع ہو جاتا ہے۔ اس امر میں غور طلب بات یہ ہے کہ اول ڈاکٹر صاحب کو ورم زائدہ اعور کے جراثیم کیسے معلوم ہوئے اور پھر وہاں ٹی۔بی کے جراثیم کیسے پیدا ہو گئے۔ اگر انہوں نے پہلے سات ماہ تک کیمیادی معائنہ نہیں کیا اور بغیر تسلی کے دو اپریشن کر دیئے تو از حد ظلم کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اعضا کی خرابی کی علامات بھی جانتے یا ان پر غور کرتے تو صاف معلوم ہو جاتا کہ ورم زائدہ اعور اور ٹی۔بی میں کتنا نمایاں فرق ہے۔

## سوزش کا ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونا

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ معدہ کے اندر غشائے مخاطی میں سوزش ہو جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ سینہ، گلے اور ناک آنکھ اور کان میں پھیل جاتی ہے۔ معدہ سے لے کر کانوں تک جہاں پر بھی سوزش کی شدت ہو گی مرض اور علاج کی پوزیشن جدا ہو گی۔ تشخیص میں بھی غلطیاں پیدا ہوں گی اور ہر جگہ جراثیم کی شکل بھی بدل جائے گی۔ ہر عضو کی تکلیف کے ساتھ علامات بدلتی جائیں گی اور جرم کش ادویہ سے آرام نہیں ہو گا۔ جس قدر بھی علاج کیا جائے گا، مرض بڑھتا جائے گا۔ اس کا باعث بھی وہی طریقۂ علاج کا بے اصول ہونا اور وہی علاج کی ناکامی کا موجب ہے۔

## جراثیم کش ادویہ دافع سوزش نہیں

یہ ہمارا ایک نہایت اہم اور زبردست انکشاف ہے کہ جرم کش ادویہ دافع سوزش نہیں ہوتیں۔ اس چیز کو سمجھنے کے لئے اول یہ امر جاننا چاہیئے کہ جرم کش ادویہ خود جراثیم کو ہلاک نہیں کرتیں بلکہ وہ اعضائے جسم اور اندر کی پیچیدہ مشینری کو تیز کر دیتی ہیں جو جرم کو فنا اور مواد کا اخراج کرتے ہیں۔ اگر جراثیم ہلاک بھی ہو جائیں تو یہ سوزش کے ختم ہو جانے کی علامت نہیں۔ وہ تو بعض اوقات زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس مقام پر سوزش ہوئی تھی (جا ہے وہ جراثیم سے ہی ہوئی ہو حالانکہ وہ جراثیم کے علاوہ کسی مخرش دوا سے بھی ہو سکتی ہے) وہاں پر طبیعت مدبرہ بدن رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون کا اجتماع کر دیتی ہے تاکہ وہاں پر سوزش ختم ہو جائے گویا طبیعت خود مرض کا علاج کرتی ہے مگر دافع جراثیم ادویہ اکثر اس رطوبت فنا کر دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں اکثر مرض شدت اختیار کر لیتا ہے بلکہ ناقابل علاج ہو جاتا ہے جس طرح کسی نمونیا کے مریض کے درد کو رفع کرنے کے لئے یا دفع جراثیم کے لئے ایم بی ۶۹۳ یا ایسی ہی دوا کا استعمال مریض کو ہلاک کرتا ہے کیونکہ درد اور صرف درد ہی اس مقام پر صحت کی علامت ہے۔ اس سے ایک طرف مریض کی طاقت بحال رہتی ہے اور دوسری طرف وہ رطوبات و سفید دانہ ہائے خون کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ تاکہ سوزش بیہ کو رفع کرے اور اسی لئے ڈاکٹروں نے بعد از خرابی بسیار دیگر ادویہ کی طرح اس کا استعمال بند کر دیا ہے۔ اسی طرح محرقہ بخار بطنی میں مسہل اور جراثیم کش ادویہ کا استعمال اور محرقہ دماغی میں اسپرین یا کوئی دیگر ایسی ہی دوا استعمال کر کے درد کو دور اور بخار کو اتارنا مریض پر ظلم ہے کیونکہ محرقہ بطنی امعاء کے غدد میں سوزش سے پیدا ہوتا ہے اور اگر اس میں مسہلات کا استعمال کیا جائے تو وہ سوزش ورم اختیار کر لیتی ہے اور امعاء اکثر پھٹ جاتی ہے اور مریض مشکل سے جانبر ہوتا ہے اور جرم کش ادویہ سے بجائے سوزش رفع ہونے کے رطوبت اور سفید دانہ ہائے خون فنا ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں بخار تو اتر جاتا ہے مگر مریض کی حالت خراب ہو جاتی ہے وہ اکثر مر جاتا ہے اور اگر

بچ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی عضو یا آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ ایسے کیس دیکھ کر دل کو از حد دکھ اور اس غلط طریق علاج پر افسوس ہوتا ہے۔

## جراثیم کش ادویہ صحت کو تباہ کر دیتی ہیں

جراثیم کش ادویہ جہاں جسم کی اس مشینری کو تیز کر دیتی ہیں جو جراثیم کو ہلاک کر دیتی ہے وہاں وہی مشینری رطوبات جسم اور سفید دانہ ہائے خون کو بھی فنا کر دیتی ہے۔ یہی رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون اندرونی زہروں کو ختم کر کے امراض کے دور کرنے کا باعث ہوتے ہیں لیکن ان کے فنا ہو جانے سے نہ جسم کا زہر ختم ہوتا ہے اور نہ مرض دور ہوتا ہے بلکہ کئی دوسرے خوفناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں مجبوراً ڈاکٹروں کو پھر جراحی اور عطائیانہ طریق اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے گاہے مریض بچ جاتا ہے لیکن اکثر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

## جرم کش ادویہ کا غلط استعمال

جرم کش ادویہ کا صحیح استعمال اور محل بھی ڈاکٹر صاحبان نہیں جانتے۔ اسی وجہ سے پنسلین اور دیگر جرم کش ادویہ سے بے شمار اموات واقع ہو جاتی ہیں اور اسی وجہ سے ڈاکٹر فلیمنگ نے اپنے دورۂ ہندوستان کے وقت اعلان کیا تھا کہ ہر جراثیمی مرض میں بغیر سوچے سمجھے پنسلین کا استعمال غلط اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ایسی ادویہ کے استعمال سے رطوباتِ جسم اور سفید دانہ ہائے خون ختم ہو جاتے ہیں جو مرض کی ابتدائی حالت میں خود دافع زہر جراثیم اور مرض کی شفا کا موجب ہوتے ہیں۔

اس امر کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ جب جسم میں کسی جگہ جراثیم یا کسی اور وجہ سے سوزش پیدا ہوتی ہے تو ابتدائی حالت میں وہاں رطوبات جسم اور سفید دانہ ہائے خون اکٹھا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور جسم میں سفید دانہ ہائے خون کی پیدائش بڑھ جاتی ہے اس سے ایک طرف سوزش ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اس مرض کے لئے ایک قسم کا دافع زہر مواد بننا شروع ہو جاتا ہے جس کو سیرم (SERUM) کہتے ہیں۔ اول تو یہی تریاقِ جسم خود جراثیم یا سوزش ختم کر کے مرض کو دور کر دیتا ہے لیکن اگر اس تریاق کی طاقت کمزور ہو تو طبیعت اس تریاق میں خمیر پیدا کر کے جسم میں حرارت کا موجب بنتی ہے۔ یہ حرارت خود دافع جراثیم و سوزش ہے کیونکہ اس حرارت سے وہ تمام مشینری اپنا عمل شروع کر دیتی ہے جو جراثیم کو فنا کرنے کا کام کرتی ہے۔ بس یہی وقت ہے جب جراثیم کش ادویہ استعمال کی جاتی ہیں۔ اس چیز کی بہترین مثال چھالا (آبلہ) ہے جو کسی حصۂ جسم کے جل جانے پر پیدا ہو جاتا ہے۔ چھالے کے اندر کا پانی قدرت اسی لئے پیدا کرتی ہے تاکہ سوزش کو دفع کرے۔ یہی وہ رطوبت ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ ابتدائی علاج میں ایک لائق معالج کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ یہ رطوبت زیادہ سے زیادہ پیدا ہو تاکہ جلن میں رفتہ رفتہ کمی آ کر وہ ختم ہو جائے۔ جو ادویہ اس پر لگائی جاتی ہیں ان کا مقصد بھی وہاں پر رطوبات کو زیادہ پیدا کرنا ہے لیکن ایک نالائق معالج اس چھالے کو کاٹ کر وہاں دافع سوزش یا جرم کش دوا لگا دیتا ہے جس کے نتیجہ میں بجائے آرام کے مرض شدت اختیار کر لیتا ہے اور کسی دوا سے آرام بھی آ جائے تو وہ حصۂ جسم خراب ہو جاتا ہے۔ اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ جب تک چھالے میں دکھن اور جلن ہو اس پر ایسی ادویہ لگائی جائیں جو رطوبات کو بڑھانے والی ہوں اور جب دکھن اور جلن ختم ہو جائے تو پھر چھالے کو کاٹ کر محلل ادویہ استعمال کی جائیں۔ ایسی ادویہ دافع جراثیم ہوں یا نہ ہوں مریض کو یقیناً آرام آ جائے گا۔ اس کی دوسری مثال غرقہ بطنی کی ہے کہ جب محرقہ بخار چڑھتا ہے تو ایک ہفتے تک تیز، دوسرے ہفتے میں ایک حالت پر اور تیسرے ہفتے رفتہ رفتہ اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی فلاسفی بھی یہی ہے کہ پہلے ہفتہ طبیعت مدبرہ بدن مقام سوزش پر رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون جمع کرتی رہتی ہے۔ جس سے وہاں پر مرض کے خلاف تریاق پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے جوں جوں وہاں پر تریاق بڑھتا جاتا ہے وہاں خمیر بھی زیادہ ہوتا رہتا ہے جس سے جسم کی حرارت بڑھتی رہتی

ہے۔جب یہ اپنے پورے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو جراثیم یا کوئی دیگر قسم کی سوزش کو فنا کر دیتی ہے۔جسم پر باریک باریک دانے نکل آتے ہیں اور پھر بخار اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ مریض کی کمزوری سے زیادہ دن بھی لے لیتا ہے اور بدپرہیزی سے دوبارہ بلکہ سہ بارہ اپنا کورس پورا کرتا ہے۔اس کے علاج میں اگر کوئی دوا نہ بھی دی جائے اور صرف غذا پر سخت نگرانی رکھی جائے تو مریض کو یقیناً آرام آ جاتا ہے۔ دیہاتی لوگ اس مرض میں کسی معالج کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ان کا عقیدہ ہے کہ دوا سے یہ مرض ضدی ہو جاتا ہے اور بجائے آرام کے مرض بڑھ جاتا ہے۔اب جو محرقہ معطنی کا سہ روزہ علاج نکل آیا ہے جس میں شروع ہی میں بخار دبا دیا جاتا ہے۔ گویا بخار اتارنا ہی محرقہ کا اصل علاج ہے نتیجۃً مریض مر جاتا ہے اور اگر بچ جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی عضو بالکل باطل ہو جاتا ہے آنکھیں خراب اور اکثر اندھا یا بھینگا ہو جاتا ہے۔ حمّیٰ محرقہ کے مطالعہ میں عقلمندوں کے لئے بہترین سبق ہیں اور مسئلہ جراثیم واضح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی تیسری مثال محرقہ دماغی کی ہے۔محرقہ دماغی میں اعصاب میں سوزش ہو جاتی ہے (چونکہ دماغ اعصاب کا مرکز ہے اس لئے اس کو محرقہ دماغی کہتے ہیں۔ ورنہ اصل میں سوزش جسم کے تمام اعصاب میں سر سے پاؤں تک ہوتی ہے)، اس لئے طبیعت مدبرہ بدن جسم کی رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون کو اعصاب کی طرف روانہ کرتی ہے تاکہ سوزش ختم ہو اور پیدا شدہ جراثیم ہلاک ہو جائیں۔ یہ رطوبت جہاں جسم کی سوزش کو رفع کرتی ہے وہاں پر ایک ایسا خمیر بھی پیدا کرتی ہے جو جراثیم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اگر اس خمیر سے جراثیم ہلاک نہ ہوں تو پھر اس خمیر میں حرارت پیدا ہو کر ہر قسم کی سوزش اور جراثیم کو فنا کر دیتی ہے۔ جب یہ رطوبت جسم میں ضرورت سے بڑھ جاتی ہے تو طبیعت مدبرہ بدن ان کو جسم سے خارج بھی کرتی رہتی ہے۔ اسی لئے محرقہ دماغی میں نزلہ، زکام، آنکھوں اور منہ سے پانی، پیشاب کی زیادتی اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ ابتدا میں ان کا بند کرنا مضر ہوتا ہے جب تک سوزش اور

پھر بخار خود بخود کم نہ ہو ان کو بند نہیں کرنا چاہئے۔ یہ رطوبات کا آنا اس امر کا ثبوت ہے کہ طبیعت خود ان کا علاج کر رہی ہے۔ایسے موقعہ پر جراثیم کش ادویہ کا استعمال رطوبت اور سفید دانہ ہائے خون کو فنا کر دیتا ہے۔جرم کش اور محرک ادویات کے استعمال کا موقع و محل وہ ہے جب طبیعت خود جسم میں خشکی پیدا کر دے اور حرارت تیز ہو جائے جو اس امر کی علامت ہے کہ طبیعت کو مدد کی ضرورت ہے۔اس وقت ان ادویہ کے استعمال سے انشاء اللہ تعالیٰ مریض کو آرام بھی ہو گا اور نقصان بھی نہیں ہو گا۔

## حمّیٰ ملیریا کی مثال

اس امر کا سب سے دلچسپ ثبوت ملیریا بخار ہے جب ملیریا بخار آتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) جسم ٹوٹنا شروع ہو جاتا ہے اور سرد ہوتا چلا جاتا ہے۔جمائیاں آتی ہیں اور منہ میں پانی اور آنکھوں میں آنسو نظر آتے ہیں (۲) سردی کا شدید احساس، جسم کا نپنا، دانت پر دانت بجتے اور سخت بے چینی و گھبراہٹ ہوتی ہے۔مریض گرم کپڑے اور گرم مشروبات کی خواہش کرتا ہے۔اس طرح اس کا جسم گرم ہونا شروع ہو جاتا ہے (۳) مریض کا جسم بالکل گرم اور اسے بخار ہو جاتا ہے اوّل اوّل وہ کچھ سکون محسوس کرتا ہے مگر پھر گرم بھٹی میں جلنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پسینہ آ جاتا ہے۔اس کے بعد مریض کو پورا آرام نصیب ہوتا ہے اور اکثر نیند آ جاتی ہے۔ یہ ہے ملیریا کی تمام کیفیت۔اب اس پر غور کریں تو جراثیم اور علاج کی پوری کیفیت سمجھ میں آ جاتی ہے۔اول صورت میں سوزش جگر ہوتی ہے چاہے وہ ملیریل جراثیم (MALARIAL-GERMS) سے ہو۔طبیعت مدبرہ بدن اس سوزش کو رفع کرنے کے لئے رطوبات اور سفید دانہ ہائے خون کو اس طرح روانہ کرنا شروع کر دیتی ہے۔اس حالت میں صورت اول کی تمام علامات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ جب جسم میں رطوبات کی زیادتی ہو جاتی ہے تو صورت دوم کی اور جب جسم گرم ہو جاتا ہے تو صورت سوم کی علامات پیدا ہوتی ہیں۔ جب حرارت اپنے پورے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو جگر کی وقتی سوزش ختم ہو جاتی ہے اور طبیعت مدبرہ بدن

کو سکون مل جاتا ہے۔ وہ پسینہ لا کر بخار کو کم کر دیتی ہے۔ یہ سوزش جگر جراثیمی ہو یا غدی یا موسمی ہو اسے بہرحال بخار کی حرارت سے ختم ہوتی ہے۔ جب تک سوزش جگر ختم نہ ہو اور اپنا کام صحیح طور پر شروع نہ کرے بخار کو آرام نہیں ہو گا۔ چاہے جتنی کونین اسے کھلا دو اور جسم کے ملیریائی جراثیم ختم کر دو۔ پرانا ملیریا بخار اس کے ثبوت میں ایک زبردست تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ حقیقت میں ملیریا پرانا بھی صرف اسی لئے ہوتا ہے کہ کونین اور اسی قسم کی دیگر ادویہ کے استعمال سے رطوبت و حرارت جسم کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر لوگ غلطی سے اس قدرتی رطوبت کو جو ابتدا میں طبیعت پیدا کرتی ہے اور جس سے سوزش رفع ہوتی ہے جراثیم کش ادویہ سے اس کو جلا دیتے اور پیدائش کو روک دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں مرض مزمن ہو جاتا ہے یا مریض مر جاتا ہے۔ نیز ضعف قلب، کمی خون، عمومی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے جو ہارٹ فیلور (HEART FALURE) کا باعث ہوتی ہے۔ یہ تمام تجربات و مشاہدات اور دلائل اس پر گواہ ہیں کہ اصل باعث مرض نہ جراثیم ہیں اور نہ ان کو ہلاک کرنے سے مرض رفع ہو سکتا ہے اور ایلوپیتھی طریق علاج غیر علمی ہے۔

## حرارت و رطوبات جسم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جسم انسان میں خون ہی زندگی اور طاقت ہے۔ خون ایک گرم مرکب رطوبت (HOT COMPOUND FLUID) ہے جو اعضا کی مدد سے تمام جسم میں بنتا اور پہنچتا ہے۔ جب خون خراب ہو جائے (عناصر میں کمی بیشی آ جائے) اس کی رطوبت یا حرارت گھٹ جائے یا اس میں کسی قسم کا زہر یا جراثیم پیدا ہو جائیں تو مرض پیدا ہوتا ہے اور ان باتوں کی شدت موت کا باعث ہوتی ہے۔ قدرت نے خون ہی میں یہ طاقت رکھی ہے کہ وہ اعضا کی مدد سے صحیح زندگی قائم رکھتا ہے۔ ہمارے اعضائے جسم تین کام کرتے ہیں۔ اول خون پیدا کرتے، دوم اس کو صاف کرتے اور سوم جسم کے ہر حصہ میں پہنچاتے ہیں۔ گویا خون اور اعضا کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خون اعضا کی غذا، گرمی اور صحت کا ذمہ دار ہے اور اعضا اس کی پیدائش، صفائی اور گردش میں غیر معمولی مدد کرتے ہیں۔ دونوں کا یہی باہمی تعلق اور چکر صحت اور زندگی کا ضامن ہے۔

جاننا چاہئے کہ خون ذرات، رطوبات اور نمکیات سے مرکب ہے۔ ذرات جسم میں طاقت اور حرارت پیدا کرتے ہیں۔ نمکیات اس کا رنگ اور قوام رکھتے ہیں اور رطوبات جسم میں غذائیت اور اعتدال قائم رکھتی ہیں۔ چونکہ نمکیات رطوبت و محلول اور ذرات خون کے قوام میں شامل رہتے ہیں: اس لئے ظاہراً تین باتوں کا احساس ہوتا ہے (۱) سرخی (۲) رطوبت (۳) حرارت۔ سرخی گرچہ ایک رنگ ہے اور جسم میں اس کے بے شمار فوائد ہیں لیکن عام طور پر اس کے فوائد رطوبت کے ساتھ دیگر نمکیات کی طرح شامل رہتے ہیں۔ باقی رطوبت اور حرارت ہی وہ چیزیں ہیں جو جسم انسان کی زندگی کے قیام کے ساتھ صحت کی حفاظت اور مرض کو رفع کرنے کی طاقت رکھتی ہیں۔ یہ مرض کا مقابلہ کیسے کرتی ہیں۔ اس کو اوپر ملیریا کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

## جراثیم کس طرح ہلاک ہوتے ہیں

مندرجہ بالا تمام تشریح سے یہ صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قسم کی سوزش رچاہے وہ جراثیمی ہو اور اس میں اورام بھی شریک ہیں، زہر اور درد (ہر قسم کے بخار شریک ہیں) یا دیگر کوئی مرض جسم کے انہی دونوں کیمیاوی اثرات یعنی رطوبت خون (LIQVED OF THE BLOOD) اور حرارت خون (HEAT OF THE BLOOD) سے اعضا کی مدد سے رفع ہوتے ہیں۔

ان کا جسم کیمیاوی تغیر (PATHOLOGY) اس طرح عمل میں آتا ہے کہ جہاں کہیں سوزش یا جراثیم پیدا یا داخل ہوتے ہیں، طبیعت مدبرہ بدن وہاں پر فوراً رطوبات گرانا شروع کر دیتی ہے جن میں سفید ذرات خون بھی شریک ہوتے ہیں۔ وہاں پر یہ مرکب اس سوزش یا جراثیم اور زہر کو رفع کرنے کے لئے مختلف قسم کا

مواد (ANTICEPTIC METTER) تیار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جس سے وہاں کی سوزش، جراثیم اور زہر فنا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر جسم میں قوت مدافعت (IMMUNITY) مضبوط ہو تو مرض پیدا نہیں ہوتا اور طبیعت مدبرہ بدن کی ایک زبردست مدافعت ہوتی ہے اور اس کی شدت اس مدافعتی متضاد مواد (IMMUNITICAL ANTICEPTIC MATTER) میں حرارت پیدا کر دیتی ہے جس سے اول وہ سوزش و جراثیم اور زہر فنا ہو جاتا ہے اور پھر وہاں کی رطوبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر طبیعت مدبرہ بدن اس طرح بھی کامیاب نہ ہو سکے تو پھر وہ جسم کے غدد جاذبہ کے افعال کو تیز کر دیتی ہے اور اس تمام رطوبت کو جس میں سوزشی، جراثیمی اور زہریلا مواد ہوتا ہے ان کے اندر جذب کرانا شروع کر دیتی ہے جس سے وہاں کے کیمیاوی اور پیچیدہ افعال سے ہر قسم کا سوزشی، جراثیمی اور زہریلا مواد تباہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس آخری طریق میں بھی قوت مدبرہ بدن کامیاب نہ ہو تو پھر وہ تمام زہریلا مواد (VEINS) کے راستہ دل میں پہنچ جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس تمام تشریح سے صاف ظاہر ہے کہ درحقیقت طبیعت مدبرہ بدن ہی امراض کا علاج کرتی اور سوزش، جراثیم اور دیگر زہریلے مواد کو فنا کرتی ہے۔ ایلوپیتھی اس سے آگاہ نہیں ہے اس لئے اس کا علاج نہ صرف غیر اصولی ہے بلکہ ظالمانہ ہے۔

ماہیت مرض کو سمجھے بغیر اس کا بامطابق طریق علاج (ACCORDINGLY - WAY OF TREATMENT) مشکل و محال ہے۔ اس کی تشریح علاج کے سلسلہ میں کی جائے گی۔ یہاں پر اتنا جان لینا نہایت ضروری ہے کہ جب جسم میں رطوبات کی ضرورت ہو تو ان کو بڑھایا جائے۔ جب حرارت کی ضرورت ہو تو اسے پیدا کیا جائے اور جب غدد جاذبہ سے کام لینا ہو تو ان کے افعال کو تیز کیا جائے۔

## زہریلا مواد، عناصر اور اعضائے جسم

جاننا چاہئے کہ جسم انسان کے امراض زہریلے مواد (خواہ وہ جراثیمی ہو یا عناصر کی کمی بیشی اور اعضائے جسم کے افعال کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں اور انہی کو اعتدال پر لانے سے امراض رفع ہوتے ہیں لیکن ایلوپیتھی نے صرف اول الذکر زہریلے مواد اور وہ بھی صرف جراثیمی مواد کو باعث امراض قرار دیا ہے اور موخر الذکر دونوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ تمام ڈاکٹری کتب ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ اگر کہیں ذکر کیا گیا ہو تو بیان کیا جائے ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ان عنوانوں کے تحت ان سے پیدا ہونے والے امراض کو پیش نہیں کر سکتے۔ اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عناصر کی کمی بیشی اور افعال اعضائے جسم کی خرابی سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اگر یہ حقیقت مسلمہ ہے تو پھر ایلوپیتھی طریق علاج یقیناً غیر علمی اور بے اصول ہے۔

## صرف دفع سبب علاج مرض نہیں

اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ہر مرض یا اکثر امراض کا سبب صرف جراثیم ہی ہیں لیکن پھر بھی صرف جراثیم کی ہلاکت کو مرض کا علاج سمجھ لینا ایک غلط نظریہ ہے۔ کیونکہ صرف دفع سبب سے مرض رفع نہیں ہوتا بلکہ اعضا کی خرابی اور عناصر بلکہ جملہ کیفیات کا اعتدال لازم ہے۔ ان کے عدم اعتدال کی حالت میں مرض دور نہیں ہوتا اور جراثیم دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی زخم کے جراثیم کاربالک یا کسی دوسری جراثیم کش دوا سے ہلاک بھی کر دیئے جائیں تو پھر بھی زخم کا علاج اپنی جگہ قائم ہے۔ وہ علاج کیا ہے؟ اعضا کے افعال، عناصر کی کمی بیشی اور کیفیات کا اعتدال ہے۔ ان تمام باتوں کا ذکر ایلوپیتھی میں کہیں نظر نہیں آتا جو اس کے غیر علمی ہونے کی غیر معمولی دلیل ہے۔

## سبب کا پہلے رفع کرنا ضروری نہیں ہوتا

عوام (لے مین) بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ علاج میں مقدم تکلیف کو رفع ہونا چاہئے۔ مثلاً دردِ سر کا سبب قبض ہے اور اس کو دور کرنے کے لئے کم از کم دو تین گھنٹے چاہئیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ اول دردِ سر کو دور

کیا جائے۔ یہی صورت ایسی دیگر امراض مثلاً درد معدہ و امعاء، درد جگر و گردہ وغیرہ اور جراثیم سے پیدا شدہ امراض مثلاً پرانے زخم (CRONIC WOUNDS) سرطان (CANCER) آتشک (SIPHLES) اور ان سے پیدا ہونے والے درد، بخار اور تناؤ وغیرہ میں اختیار کرنا چاہئے۔

## شدّتِ جذبات کے امراض

ایسے امراض جو اکثر جذبات کی شدت سے پیدا ہوتے ہیں اور جن میں ابتدائی حالت میں جراثیم کا کہیں بھی دخل نہیں ہوتا مثلاً غم و غصہ سے جگر کا خراب ہو جانا۔ انتہائی مسرت و لذت سے دل پر برا اثر پڑنا اور اسی طرح خوف و ندامت سے دماغ کا متاثر ہونا وغیرہ روزانہ کے تجربات و مشاہدات ہیں، ایسے امراض میں اول تو جراثیم کا کوئی دخل نہیں ہے اور اگر بعد میں پیدا ہو بھی جائیں تو جراثیم کو ہزار بار ہلاک کر دیجئے مرض رفع نہیں ہو گا جب تک جذبات کی تسکین نہ ہو یا بالفاظ دیگر اعضائے جسم کے افعال اور کیفیات خون کو اعتدال پر لانا انتہائی ضروری ہے۔ مگر ایلوپیتھی میں جذبات کی شدت سے پیدا ہونے والے امراض کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ کیا اب بھی اس طب مغرب کو غیر علمی نہیں کہا جائے گا؟

## ایک مرض کی متعدد علامات

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مرض کی کئی علامات ہوتی ہیں مثلاً ورم میں درد، بخار، سوجن، دل کی بے چینی، گاہے غشی و بے ہوشی، پیاس، کبھی قے گاہے اسہال و پیچش اور اکثر ضعف جسم وغیرہ۔ ان سب کا رفع کرنا بے حد ضروری ہے۔ البتہ شدید نسبت وہ اور خوفناک علامات کو پہلے اور دیگر کو بعد میں دور کیا جاتا ہے۔ گو یہ مرض جراثیمی ہی کیوں نہ ہو لیکن محض جراثیم کش ادویہ سے یہ علامات رفع نہیں ہوں گی چاہے جسم میں تمام جراثیم ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائیں بلکہ ان کے استعمال کے علاوہ کچھ اور کوشش بھی کرنا پڑے گی۔ یہ مشاہدات و تجربات اس بات کی صریح شہادت دیتا ہیں کہ صرف جراثیم کا ہلاک کر دینا مرض تو کیا کسی ایک علامت کو بھی رفع نہیں کر سکتا۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر دن رات جراثیم کا رونا رونا کہاں کی عقل و دانش ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مختلف امراض میں الگ الگ اقسام کے اورام ہوتے ہیں۔

## غیر جراثیم کش ادویہ

ماہیت امراض، تشخیص، اسباب و علامات کے بعد علاج اور ادویات کے نکتہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو دس بیس نہیں بلکہ ہزاروں ادویہ ایسی ہیں جو جرم کش نہیں لیکن جراثیمی امراض کا نہ صرف شافی علاج ہیں بلکہ اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ مثلاً مخدرات (افیون، بیش، اجوائن خراسانی وغیرہ) مسکنات (خشخاش، کشنیز، کاسنی وغیرہ) مبردات (بیدانہ، لسوڑیاں، عناب وغیرہ) ملطف (ملٹھی، انجبر وغیرہ) قابضات (مائیں، مازو، آملہ وغیرہ) تلخ مطویات (جنطیانہ، چرائتہ اور کرنجوا وغیرہ)، دھاتیں اور ان کے کشتہ جات (فولاد، تانبہ، قلعی وغیرہ) اور اسی طرح ملینات (گل سرخ، گل بنفشہ اور ہلیلہ وغیرہ) یہ بطور نمونہ از خروارے ہیں۔ ورنہ ہر قبیل کی ہزاروں ادویہ کتب طبیہ میں بھری پڑی ہیں جو کسی قسم کی جراثیم کش تو نہیں البتہ سینکڑوں امراض کے لئے اکسیر اور تریاق کا درجہ رکھتی ہیں۔ جس پر روزانہ کا تجربہ اور استعمال گواہ ہے بلکہ ان میں کی ہزاروں ادویہ انہی خواص کے ساتھ برٹش فارماکوپیا (B.P) امریکن فارماکوپیا (A.P) اور دنیا کے دیگر ممالک کے فارماکوپیاؤں میں درج ہیں۔ جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے۔ کیا کوئی مغربی طب کا ماہر ڈاکٹر یا معالج (PHYSICIAN) یا طبی سائنس سے متعلق (کنکٹڈ ود میڈیکل سائنس) مندرجہ بالا امور کا جواب دے سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں دے سکتا اور ہمارا چیلنج ہے کہ نہیں دے سکتا۔ ان حقائق کی موجودگی میں بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ایلوپیتھی طریق علاج غلط اور غیر علمی (UNSCIENTIFIC) ہے۔

## خود سائنسدانوں کی شہادتیں

تجربات، مشاہدات اور علمی و عقلی

دلائل پیش کرنے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود یورپ اور امریکہ کے ممالک میں سائنس کی دنیا میں مغربی سائنس کے خلاف جو طوفان اٹھ رہا ہے اس کا بھی ذکر کر دیا جائے تاکہ یہ غلط فہمی کہ سائنس غلطی نہیں کرتی دور ہو جائے۔ سائنس کے اندر بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ جب کوئی نئی تھیوری (THEORY) پیدا ہوتی ہے تو ماقبل کی تمام وہ تھیوریاں (THEORIES) غلط قرار پاتی ہیں جن کو پہلی دفعہ پیش کرتے وقت بہت بلند بانگ دعاوی کئے جاتے تھے کہ دنیا کا ایک بڑا راز معلوم ہو گیا ہے۔ ان نظریات کا بار بار بدلنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فطرت کے قوانین پر قابو پانے کا ہر شخص پوری طرح دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ہر موڑ پر اس کے اصول بدل جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے ذہن پر یورپ اور امریکہ وغیرہ کی دنیا سوار ہے ان کو ان معلومات سے آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ علم و عقل کسی خاص ملک اور قوم کی میراث نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمام دنیا پر تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ دیئے سے دیا جلتا ہے اور مغربی ممالک سے بہت کچھ حاصل کیا گیا ہے لیکن غور و فکر کرنے والوں کے لئے بہت راہیں کھلی ہیں۔ مغرب نے بھی تو مشرق اور عرب ممالک سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔

ایک برطانوی طبی رسالہ میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیا ہم نے جو تیر بہدف علاج دریافت کئے ہیں ان سے نئی بیماریاں تو پیدا نہیں ہو جاتیں؟ اس کے جواب میں یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ متعدی بیماریوں کے جراثیم کے خلاف جو جنگ شروع ہوئی تھی اسے ہم جیت چکے ہیں لیکن یہ جیت پھر ہار میں تبدیل ہوا چاہتی ہے۔ اینٹی بایوٹک (جرم کش) ادویہ کی ایجاد کے بعد بہت سے جراثیم اور ان سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا کم و بیش صفایا کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان دواؤں سے کچھ نئے جراثیم پیدا ہو گئے ہیں جو مریضوں پر یورش کر رہے ہیں۔ یہ یورش خاص طور پر شفاخانوں کے مریضوں پر ہو رہی ہے۔ اینٹی



بایوٹک ادویات کو لوگوں نے جادو کی پڑیا سمجھا تھا لیکن اب یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دوغلی پڑیا ہے جو ایک طرف بیماری کو سلاتی اور دوسری طرف جگاتی ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ نئی تحقیقات ہوئی ہیں۔ جن سے ہمارے بعض پچھلے تصورات غلط ثابت ہو گئے ہیں۔ اب تک ہم یہ سمجھتے تھے کہ تھوک و بلغم سے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور حلق و ناک کو جراثیم کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا اور اسی لئے ہسپتالوں میں اپریشن کے وقت ڈاکٹر اور نرس منہ پر نقاب ڈال لیتے ہیں لیکن اب یہ تحقیقات ہوئی ہے کہ سانس لینے، کھنگھارنے، باتیں کرنے بلکہ چھینک لینے سے بھی بعض جراثیم مر جاتے ہیں۔ لیکن منہ و ناک پر نقاب ڈال لینے سے یہ زور پکڑ لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ ڈاکٹر، نرس اور کمپونڈر جو معمولی سا صاف لباس اوپر پہن لیتے ہیں اس سے جراثیم کی روک تھام نہیں ہوتی۔ پھر ہسپتال میں اپریشن سے قبل نرسیں اور ڈاکٹر ہاتھ دھوتے ہیں۔ لیکن ہاتھ سے جو چھینٹیں اڑتی ہیں ان سے کمرے میں جراثیم پھیلتے ہیں۔ ان دلچسپ تحقیقات نے حفظان صحت کے ان قواعد و ضوابط پر پانی پھیر دیا ہے جن کی ہم برسوں سے شد و مد سے تبلیغ کرتے آ رہے تھے۔" (روزنامہ آفاق ۱۰ نومبر ۱۹۵۶ء)

نوبل پرائز یافتہ عالمی شہرت کے ایک فرانسیسی سائنس دان ڈاکٹر لوکامتے دونوائی (DR LOCOMTE DUNWAY) جو موجودہ دور کا نہ صرف بہت بڑا سائنسدان ہے بلکہ اس کے پاس سائنس کی مختلف شاخوں کی متعدد ڈگریاں ہیں اور بیالوجی، طبیعات، جیالوجی اور علم الادویہ پر ان کی کتابیں دنیا کے ہر حصے میں مقبولیت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ اس کی ایک کتاب انسانی منزل (HUMAN DESTINY) تاریکی کے اس ماحول میں روشنی کی کرن ہے۔ اس میں انہوں نے مغربی سائنسدانوں اور مادہ پرستوں کے کھوکھلے نعروں کا تفصیلی جواب سائنٹیفک دلائل اور کائناتی حقائق کی روشنی میں دیا ہے اور مادہ پرست اسے پڑھ کر کانپ اٹھتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کا کہنا ہے "مغربی سائنسدان مادی چیزوں کی حقیقت (جو وہ سمجھ سکتے ہیں) جان کر یہ تصور کرنے لگتے ہیں کہ انہوں نے کائنات کے اصل

اسرار کی نقاب کشائی کر لی ہے۔ مشاہدات حسی مادی اشیاء نہیں ہیں۔ آواز کی کھنک، رنگ کی چمک اور ایسے دوسرے مشاہدات ہمارے ذہنی افق پر جو تاثرات ابھارتے ہیں ہم ان کو حرف آخر نہیں کہہ سکتے۔ حل کا تجربے سے گہرا تعلق ہے۔ سائنسدانوں کا یہ سمجھ لینا کہ انہوں نے اپنے تجربات سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ کائناتی حقائق ہیں ایک بہت بڑی بھول ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ ان پر اصرار اور غرور بھی کرتے ہیں۔" کتاب کافی ضخیم ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف نے زندگی اور سائنس کے بہت سے موضوعات پر بحث کی ہے۔ ابتدا میں سائنس اور اس کے مظہرات کی حدود کے تعین پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "انسان کے افعال کا انحصار اس کے شعور کی راہ نمائی پہ ہے۔ شعور کا تعلق مادی طور پر اعصاب عقلی پر ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ اعصاب عقلی ہر بات کو اس کے صحیح رنگ میں دیکھیں اور ان کا احاطہ کر سکیں۔ انسان کے ذہن میں جب بھی کسی چیز کا کوئی خاکہ پیدا ہوتا ہے وہ نامکمل ہوتا ہے اور اسے کسی صورت میں بھی حتمی نہیں کہا جا سکتا۔ اعصاب کے فعل میں غلطی اور کمی بیشی کا بہت سا امکان ہوتا ہے۔ ایک مادی چیز کا وجود ایک ہی وقت میں دو مختلف دماغوں میں مختلف اثرات پیدا کرتا ہے اور ایک ہی آدمی دو مختلف اوقات میں ایک ہی چیز کو دو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے۔ ایک کالے رنگ کا سفوف اور سفید ماش کا محلول ہمیشہ ہماری آنکھوں کو خاکستری نظر آتا ہے۔ مگر ایک خورد بین کو سفید اور سیاہ رنگ کے ذرات نظر آئیں گے جو عجیب و غریب نظامِ ترتیب سے ٹکراتے ہوں گے۔ اسی طرح مشاہدہ کی آنکھ اس محلول کی ایک تیسری صورت بھی دیکھ سکتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مشاہدہ اور سائنسی تجربہ کسی چیز کی حقیقت متعین کرنے میں ناکام رہ سکتا ہے۔"

سائنس کے متعلق علامہ اقبالؒ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں "سائنس فطرت کا مطالعہ کرتی ہے اور فطرت حقیقت ہی کے ایک گوشہ کا نام ہے۔" اس لئے ان کے نزدیک ذات خداوندی سے فطرت (NATURE) کا وہی تعلق ہے جو انسانی ذات سے اس کے کردار (CHARACTER) کا ہے۔ اسی کو قرآن نے "فطرت اللہ" کہہ کر پکارا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ "سائنس حقیقت کے مختلف گوشوں یعنی فطرت کے مطالعہ کا نام تو ہے لیکن اس میں نقص یہ ہے کہ یہ حقیقت کو تماماً اور کمالاً نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے مختلف شعبے اپنی دنیا میں الگ الگ مصروفِ مشاہدات و تجربات رہتے ہیں۔ اس لئے وہ حقیقت کا کلی ادراک نہیں کر سکتی۔" اسی بنا پر فرماتے ہیں کہ "مذہب کو سائنس سے خائف ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مذہب کا مقصود حقیقت کا کلی تجزیہ ہے اور وہ حقیقت کا جزوی مطالعہ کرنے والی سائنس سے کیوں گھبرائے"؟ اس کے بعد سائنس کی اصلیت کے متعلق فرماتے ہیں "سائنس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ حقیقت کے کسی ایک رخ کو اپنے مطالعہ کے لئے منتخب کر لے اور باقی رخوں کو چھوڑ دے۔ لہذا اگر سائنس یہ دعویٰ کرے کہ حقیقت کے جن پہلوؤں کا اس نے انتخاب کیا ہے وہی پہلو حقیقی ہیں تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہوگا۔"

موجودہ دور کے سائنسی نظریات (THEORIES) کے متعلق برفالٹ (BRIFFALT) اس طرح اظہار خیال کرتا ہے۔ "ہمارے طبیعاتی اور حیاتی نظریات آنے والی نسلوں کو اس طرح عجوبہ دکھائی دیں گے جس طرح ہمیں آج اس زمانے کے نظریات مضحکہ خیز دکھائی دیتے ہیں جب سائنس اپنے عہدِ طفولیت میں تھی (THE MAKING OF HUMMUNITY-P-197)

اسی طرح (KENNETH WALKER) اپنی کتاب (MEANING AND PURPOSE) میں لکھتا ہے۔ "سائنس کے نظریات فکرِ انسانی کے لئے ستانے کے مقامات ہیں جب کسی نئی تحقیقات کے انکشاف سے معلوم ہو کہ فلاں نظریہ اس سے مطابقت نہیں رکھتا اسے فوراً چھوڑ دینا چاہئے۔" حکیم آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت (تھیوری آف ریلیٹویٹی) نے نیوٹن کے نظریہ کشش و ثقل (GRAVETY) کو پاش پاش کر دیا ہے۔ جس کی رو سے زمان و مکان (TIME & SPACE) کا تصور بالکل بدل گیا ہے۔ اس کے متعلق پروفیسر کار (H.W. CARR) اپنی کتاب (The GENERAL PRINCIPAL OF RELATINITY)

میں لکھتے ہیں۔"اس حقیقت کو تسلیم کیا جارہا ہے کہ آئن سٹائن کا جدید نظریہ اضافیت فلسفہ کے بنیادی اصولوں کو متاثر کرتا ہے۔ اب یہ اصول قرار پایا ہے کہ ہر مشاہدہ کرنے والا اپنی ذات میں مطلق ہے۔ ایسی کوئی کائنات ہی نہیں جو تمام مشاہدہ کرنے والوں کے لئے مشترکہ ہو۔ ہر مشاہدہ کرنے والے کی کائنات اپنی اپنی جدا ہے۔" حکیم آئن سٹائن کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔" سائنس کا قانون حرفِ آخر نہیں قرار پاسکتا۔ کیونکہ سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ وہ تصورات جن کی بنیادوں پر وہ قوانین مبنی ہوتے ہیں، نامکمل اور ناکافی ثابت ہوتے چلے جاتے ہیں۔" پروفیسر وائٹ ہیڈ (WHITE HEAD) اپنی کتاب: — (THE SCIENCE $ THE MODREN WORLD) میں لکھتا ہے۔" سائنس تو الہیات سے بھی زیادہ قابل تغیر وتبدل ہے آج سائنس کا کوئی عالم گلیلیو کے عقائد یا نیوٹن کے معتقدات کو بلاشرط تسلیم کرنے کو تیار نہیں حتیٰ کہ وہ خود اپنے دس سال پہلے کے معتقدات کو بھی علیٰ حالہٖ صحیح تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے۔" پروفیسر موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں۔" فکرِ سائنس کی قدیم بنیادیں اب ناقابل فہم ہوتی جاتی ہیں۔ زمان ومکان، مادہ، ایتھر، برق، نامیاتی نظام، میکانکیت، ترتیب اجزا، ساخت قالب اور افعال سب پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔"

## جراثیم کا باہمی رشتہ مودت

روزنامہ امروز کے سائنسی کالم نویس جناب حمید جہلمی صاحب انسان کے لئے خطرہ کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ جب جراثیم کش دوائیں نہیں تو یار لوگوں نے کہا چلو بیماریوں سے پیچھا چھوٹا۔ جب جراثیم ہی نہ رہیں گے تو بیماریاں کہاں کی اور سچ بھی تو ہے کہ پنسلین اور انٹی بایوٹک دواؤں سے بہت فائدہ پہنچا ہے اور بے شمار لوگ موت کے منہ کا نوالہ بننے سے بچ گئے۔ لیکن یہ جب کی بات ہے کہ جراثیم میں قوت مدافعت پیدا نہیں ہوئی تھی اور ان دواؤں کا اثر قبول کرتے تھے۔ اب تو حالت مختلف ہے۔ بیشتر دوائیں بے اثر ہو گئی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان ایک سے ایک بڑھیا اور پراز تاثیر دوا بنا لیتا ہے۔ یوں ایک دوا



جب بے کار ہو گئی، دوسری نے اس کی جگہ لے لی۔ لیکن تابکے۔ جراثیم نے پہلے ایک دوا کو بے اثر کیا پھر دوسری کو۔ جو باقی رہ گئی ہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ بھی غیر موثر ہو جائیں گی۔ کل کیا ہوگا؟ اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ کچھ پیش بینی اور پیش بندی کر لینی چاہئے۔ بالکل آنکھیں موند لینا دانشمندی نہیں۔ سائنس کی ترقی کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ وہ آنے والی کل کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو تحقیق وتفحص کا سلسلہ کب کا منقطع ہو گیا ہوتا۔ سو وہ جراثیم کے اس عجیب وغریب رویّے سے قطعاً غافل نہیں وہ ان کے طرح دے جانے کے مضرات کو سمجھتی ہے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اصلاح احوال کے لئے کوشاں ہے۔

سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ جراثیم میں دفاعی نظام کی نوعیت کیا ہے اور وہ کام کس طرح کرتا ہے؟ اس کا کوئی معقول جواب مل جائے تو جراثیم سے نمٹنے کی سبیل کی یا سوچی جاسکتی ہے۔ جراثیم میں قوت مدافعت پیدا ہونے کے دو امکانات ہوسکتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ جراثیم اپنے طبعی خواص بدل دیتے ہیں یا یہ کہ ان کی تخلیق ونمو بے حد سریع ہو جاتی ہے کہ جیسے ہی پنسلین کے اثر سے کچھ جراثیم ہلاک ہوئے، اسی لمحے دوسرے جراثیم نے جنم لے لیا اور ان کی جگہ سنبھال لی۔ ان میں کوئی بھی صورت ہو جراثیم انٹی بایوٹک ادویہ سے بچنے کی راہ ڈھونڈ ہی نکالتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اب تک انسان نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ ایک دوا کا اثر زائل ہو گیا ہے تو فوراً دوسری دوا بنا لیتا ہے۔ یہ سلسلہ چاہے ہمیشہ قائم رہے یعنی انسان خواہ مدت مدید تک عناصر فطرت کے خلاف برسرِ پیکار رہے اور قدرت کے اصولوں کو اپنی مرضی کے مطابق توڑتا موڑتا اور ڈھالتا رہے۔ تاہم اس ساری تگ ودو کی نتیجہ خیزی کا انحصار اس پر ہے کہ صحیح وقت پر یہ تعین ہو جائے کہ جراثیم میں قوت مدافعت پیدا ہو گئی ہے تاکہ اسی کے اعتبار سے دواؤں میں مناسب تبدیلی کی جاسکے۔ بظاہر یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ ہسپتالوں میں یا ایسے مراکز میں جہاں تحقیق وتشخیص کے اسباب اور جدید سہولتیں میسر ہیں وہاں تو شاید اس باب میں کچھ کیا جاسکتا ہو لیکن عام آدمی گھر پر یہ سارا بکھیڑا

کیسے مول لے۔ اگر نہیں لے سکے گا تو نئی دواؤں کا موجود ہونا بھی نافع نہیں ہوگا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہسپتالوں میں جراثیم جس طرح قوت مدافعت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہیں اور کم ہی کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر اور جراح بہت پریشان ہیں۔ کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ کتنی بے بسی ہے کہ مرض کی تشخیص ہو جائے۔ دوا بھی موجود ہو لیکن شفا نہ ہو مریض ایڑیاں رگڑتا رہے اور گھلتا رہے۔

جراثیم کی قوت مدافعت پیدا کیسے ہوئی۔ دو امکانات کا ذکر پہلے ہوا۔ ان کی تصدیق یا تردید ابھی نہیں ہو سکی۔ ایک نیا پہلو ضرور سامنے آیا ہے جو بہت تحیر زا ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ طویل تحقیق سے کھلا کہ جراثیم میں قوت مدافعت اگرچہ ایک جسمانی فعل ہے مگر اس کی تحریک جراثیم کی "دانش" کرتی ہے۔ جراثیم دانش ور ہوتے ہیں۔ ان کے آپس میں بہت عمدہ اور خوشگوار تعلقات ہوتے ہیں۔ جیسے ہی ان میں سے کسی کو علم ہو کہ انہیں ہلاک کرنے کے لئے انٹی بایوٹک دوا کھائی گئی ہے وہ بلا توقف دوسرے ہم جنسوں کو اس کی اطلاع کرتا ہے یہ خبر ان میں متعدی مرض کی طرح پھیلتی ہے اور وہ حفاظتی تدابیر کرنے میں لگ جاتے ہیں لیکن کیا مجال کہ اپنے اصل حریف کو نظر انداز کریں یا اس سے صلح صفائی کی سوچیں۔ وہ ہمہ وقت آمادۂ جنگ و جدال رہتے ہیں۔ یعنی مرض کو بڑھاتے اور پھیلاتے ہیں اور انسان کو طرح طرح سے تنگ اور زچ کرتے ہیں۔ جب انسان انہیں دم نہ لینے دے اور آمادۂ پیکار رہے تو بھلا وہ اس کی جان بخشی کیوں کریں۔ جہاں اور جب داؤ چل گیا اپنا ہنر دکھا گئے۔

جب ایک دانشور جرثومے کو دوا کا اثر محسوس ہوتا ہے تو وہ فوراً اپنے پڑوسی کے کان میں سرگوشی کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ حفاظت کی فکر کر لو وہ یہی اطلاع دوسرے کو پہنچاتا ہے اور یوں سب جراثیم ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اپنے اندر دوا کے اثر کو زائل کرنے کا جذبہ بیدار کر لیتے ہیں۔ ایک جرمن سائنس دان جیرہارڈ لیبک نے ثابت کیا ہے کہ جب دو جرثومے ایک دوسرے کے پہلو میں لیٹے ہوں وہ آپس میں اطلاعات کا تبادلہ کرتے



رہتے ہیں۔ سیدھے سادے الفاظ میں تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے وہ زبان کے محتاج نہیں جس طرح وہ انسان کو بیماری میں مبتلا کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنے ہم جنس کو خبر یا اطلاع میں مبتلا کرتے ہیں۔ یعنی ان کی اطلاع بھی بیماری کے وائرس سے کم نہیں ہوتی۔ بالکل وہی نوعیت ہوتی ہے۔ اطلاع کے تبادلے کا فعل جسمانی طور پر سرزد ہوتا ہے اس کا ایک ذریعہ جرثوموں کا باہمی جنسی تعلق ہے جو خطرے کا مقابلہ کرنے کے وقت ہی قائم ہوتا ہے اور خطرے کی موجودگی کا احساس (جراثیم میں) عام کرتا ہے۔

سائنس دان جراثیم کی مدافعتی اہلیت کی اہمیت جانتے ہیں۔ انہیں علم ہے کہ یہ بڑھی تو امراض کا دفعیہ ممکن نہ رہے گا۔ اس لئے وہ اس باب میں بہت مغز ماری کر رہے ہیں اور جراثیم کے مدافعتی نظام کا بغور مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اسی کے باعث بہت سی نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک جرثومہ اپنے ہی گروہ کے جراثیم کو اطلاع نہیں دیتا بلکہ دوسری نسل کے جراثیم کو بھی خطرے سے آگاہ کر دیتا ہے۔

جرثومہ دوا کے اثر کی خبر دوسروں تک پہنچانے سے باز رہے تو بات بنتی ہے لیکن فطرت کا قانون کیوں کر بدلے۔ جرثومے بھی اس قانون کے پابند ہیں۔ وہ بھی جہد البقا میں گرفتار ہیں۔ بھول پن میں مار کھا لی اور انسان پنسلین اور دوسری انٹی بایوٹک دواؤں کی ایجاد پر بہت اترایا۔ لیکن جیسے جیسے جرثومے کو ان کی ہلاکت خیزی کا احساس ہوا اس نے بچ نکلنے کی ترکیب ڈھونڈ نکالی۔ سائنس دان اب دو باتوں پر اپنی توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسا ماحول پیدا ہو جائے کہ اس میں جراثیم پروان ہی نہ چڑھ سکیں۔ اس کے لئے صفائی کا ایک نہایت عمدہ انتظام کرنا لازم ہوگا۔ دوسرے جیسے ہی جراثیم ایک دوا کے اثر سے آزاد ہو جائیں، دوسری دوا ایجاد کر لی جائے۔ اسی سلسلے میں وہ ایک نسل کے جراثیم کو دوسری نسل کے جراثیم سے الگ رکھنے پر بہت زور دیتے ہیں کہ اگر ضرر رسانی کا سلسلہ مختلف نسلوں میں راہ پا گیا تو پھر اصلاح احوال کی کوئی صورت کارگر نہ ہوگی۔

## جراثیم کے بغیر بھی زندگی ممکن ہے؟

کوئی سو سال پہلے لوئیس پیسٹور نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ کوئی انسان اور کوئی حیوان خواہ کتنا ہی صحت مند کیوں نہ ہو، جراثیم سے خالی نہیں ہے۔ لوئی پیسٹور اپنے دور کا بہت بڑا محقق تھا۔ اپنے دعوے کے جواز میں بڑی وزنی دلیلیں لایا۔ تھوڑی سی حیص بیص کے بعد اس کا نظریہ تسلیم کر لیا گیا۔ اب تک اس نظریے کی صحت محل نظر نہیں ٹھہری تھی۔ دیکھا جائے تو جدید طب کی بنیاد ہی اس نظریے پر اٹھی ہے۔ جراثیم کا وجود اور اہمیت دونوں تسلیم کر کے ہی امراض کی تشخیص بھی ممکن ہے اور علاج کا خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔

لوئیس پیسٹور نے بڑے وثوق سے کہا تھا کہ کوئی جاندار جراثیم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ نظریہ اب غلط ٹھہرا ہے۔ سائنس دان ایسے چوہے، چوزے، تیتر اور دوسرے جانور پالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جن کے جسم داخلی اور خارجی ہر اعتبار سے جراثیم سے پاک ہیں۔ یہ جاندار اپنے دوسرے ہم جنسوں کی طرح معمول کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ جراثیم سے معرا ہونے کے باعث ان کو کوئی عارضہ لاحق ہو گیا ہو یا ان کے جسم کے وظائف و معمولات میں کسی قسم کا کوئی فرق رونما ہوا ہو۔ جراثیم سے پاک جانوروں کی پرورش سے چھوت کی ایسی بیماریوں کا مطالعہ اور تجزیہ آسان ہو گیا ہے جن میں صرف ایک ہی نوعیت کے جراثیم کارفرما ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیمار انسانوں پر جراثیم سے پاک عمل جراحی کے لئے بھی راہ ہموار ہو گئی ہے۔

نوٹرڈم یونیورسٹی کے ماہر جراثیم جیمز اے رینیرز نے جراثیم سے پاک جانور پالنے کا تجربہ کوئی تیس پینتیس برس پہلے شروع کیا۔ انہیں چند سال پہلے کامیابی حاصل ہوئی۔ رینیرز نے اپنا ایک الگ معمل قائم کر رکھا ہے۔ جہاں کئی ایسے جاندار پرورش پا رہے ہیں جو جراثیم سے آلودہ نہیں ہیں۔ رینیرز دوسری تجربہ گاہوں کو بھی "بلا جراثیم" جانور فراہم کرتے ہیں۔

جانور اسی صورت میں جراثیم سے پاک ہو سکتا ہے جب وہ پیدا ہوتے ہی جراثیم سے مبرا ہو۔ پرندوں کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی جراثیم کی دست برد سے محفوظ کرنا قدرے آسان ہے۔ چوزوں پر اس کا تجربہ بہت کامیاب رہا ہے۔ انڈہ خول میں جراثیم سے محفوظ ہوتا ہے۔ اس کے خول کو باہر کی جانب سے بھی جراثیم سے پاک کیا جا سکتا ہے۔ انڈے کو پہلے ایک جراثیم کش محلول میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر اسے انڈے سینے والی خاص طرز کی مشین میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جب انڈے سے چوزہ نکل آتا ہے تو ایک ایسے برتن سے خوراک حاصل کرتا ہے جو ہر قسم کی آلائش سے پاک ہوتی ہے۔ چنانچہ اس تک کسی ذریعے سے بھی جراثیم نہیں پہنچ پاتے۔

چوزوں سے بھی زیادہ جاپانی تیتر مفید ہیں۔ کیوں کہ یہ سات ہفتے کی عمر کو پہنچتے ہی انڈے دینے لگتے ہیں۔ جب کہ مرغی سات ماہ کی عمر کو پہنچ کر انڈے دیتی ہے۔ سو جاپانی تیتروں کی تعداد بڑھانے میں آسانی رہتی ہے۔ البتہ چوپایوں کو جراثیم سے پاک کرنا خاصا مشکل کام ہے خصوصاً اس صورت میں کہ ان کی پیدائش کے لئے ایسا انتظام کرنا ضروری ہے کہ وہ رحم مادہ سے نکلنے کے بعد جراثیم سے بالکل محفوظ رہیں۔ اس کے لئے عموماً یہ طریقہ برتا جاتا ہے کہ جب کسی جانور کے بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب آتا ہے تو اسے بے ہوش کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے پیٹ کو جراثیم سے پاک کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں دو ٹینکیاں لی جاتی ہیں جو ایک بڑے سے پائپ کے ذریعے ملی ہوتی ہیں اور جراثیم سے قطعاً صاف ہوتی ہیں۔ جانور کو ایک ٹینکی میں رکھ کر دیں اس کا پیٹ چاک کرتے ہیں اور ادر بڑی پھرتی کے ساتھ بچے کو دوسری پائپ کے ذریعے دوسری ٹینکی میں پہنچا دیتے ہیں۔ ٹینکی میں نومولود بچے کے لئے جراثیم سے پاک غذا کا انتظام ہوتا ہے اس طرح وہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی جراثیم کے اثر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ایک صاف ماحول میں پرورش پانے لگتا ہے۔

جراثیم سے محفوظ بندروں کی پرداخت خاصی مشکل ہے ان کو مقررہ طریقے سے کھلانا پلانا اور عرصے تک یہ عمل جاری رکھنا دقت طلب اور صبر آزما ہے۔ البتہ سؤر کی پرورش آسان ہے وہ آنکھیں کھولے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں غذا کھلانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ وہ

چھ ہفتوں میں اتنا حجم حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کا آسانی سے اپریشن ہو سکتا ہے اور امراض کی تشخیص و تفہیم کے سلسلے میں تحقیق کی جا سکتی ہے۔ چھوٹے جانور مثلاً چوہے وغیرہ جراثیم سے پاک ٹینکیوں میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور وہیں ان کی افزائش نسل کا اہتمام ہوتا ہے۔

انسانی امراض کا مطالعہ کرنے کے لئے جب ڈاکٹر والڈ ایل نیوٹن کی قیادت میں ایک تحقیقاتی جماعت نے جراثیم سے مبرّا جانوروں پر تجربے کئے تو پتہ چلا کہ ہیضہ کے جراثیم اس وقت تک معدے میں پرورش نہیں پا سکتے جب تک کہ وہاں بکٹیریا موجود نہ ہوں تجربے یہ بات بھی ثابت ہو گئی ہے کہ اگر جراثیم سے پاک جانور کو عام جانوروں کے کمرے میں چھوڑ دیا جائے تو وہ چھوت میں مبتلا ہو کر ۴۸ گھنٹے کے اندر مر جائے گا۔ لیکن ایک بات بڑی تعجب خیز ہے کہ چوہوں میں سے صرف پچاس فی صد مرتے ہیں۔ جراثیم سے صاف چوہے اور چوزے ان کے مخصوص ماحول سے نکال کر عام چوہوں اور چوزوں میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ یوں ان پر ایک طویل عرصہ تک جراثیم سے محفوظ رہنے کے بعد جراثیم کے اثرات دیکھے جاتے ہیں۔ اسی نوع کے تجربات انسانی امراض کو سمجھنے میں ممد ہوں گے۔ مثلاً یہ معلوم ہو سکے گا کہ جب فوجی سپاہی دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں تو ان سے بعض پر ان ملکوں کی بیماریوں کا حملہ اس قدر شدید کیوں ہوتا ہے کہ وہ جانبر نہیں ہو سکتے اور بعض معمولی سے بیمار رہنے کے بعد بھلے چنگے کیسے ہو جاتے ہیں؟

جراثیم سے محفوظ اور آلودہ نہ ہونیکا راز معلوم ہو جائے اور اسکے مطابق انسان کی حفاظت کا اہتمام ہو سکے تو جراحت کے سلسلے میں بھی بڑی مدد ملیگی۔ اسوقت ہر ممکن احتیاط کے باوجود ایک بھی اپریشن ایسا نہیں ہوتا جسکے سلسلے میں یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اسمیں مریض کا زخم جراثیم سے آلودہ نہیں ہوا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جراحت کے بعد اکثر و بیشتر اموات محض جراثیم سے اور ان سے لگنے والے چھوت کے امراض کے سبب ہوتی ہیں۔ ماہرین طب کا خیال ہے کہ جانوروں کیطرح عام انسان بھی جراثیم سے پاک پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس ضمن میں عملی تجربے سے قبل جانوروں پر طویل تجربے اور گہری تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ (از روزنامہ امروز لاہور)



# ایلوپیتھی کے متعلق غلط فہمی

تمام دنیا اور خصوصاً پاک ہند برصغیر میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایلوپیتھی (ایلوپیتھی طب) کی بنیاد یونانی طب پر ہے۔ اور ایلوپیتھی طب یونانی کی بیٹی اور اس کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ ایسا خیال کرنا غلط ہے اور یہ نظریہ حقیقت و صداقت سے قطعاً خالی ہے کہ ایلوپیتھی یونانی طب کی ترقی یافتہ صورت (PROGRESSIVE CONDITION) ہے بلکہ دونوں میں بعد المشرقین ہے دونوں کے قواعد، قانون، نظریات، شکل و صورت اور عمل وغیرہ بالکل جدا جدا اور مختلف ہیں۔ یہ کسی زمانہ میں ایک نہیں ہوئے اور نہ کبھی ایک ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ ان کو ایک سمجھتے یا ان کو ایک کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا آئندہ ایک کرنا چاہتے ہیں وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ دو مختلف اصول اور نظریات ایک نہیں ہو سکتے۔ دو مختلف راہیں ایک نہیں کہلا سکتیں اور دو مختلف مذاہب ایک نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ دونوں کا عمل ایک ہی مقصد کو حاصل کرنا ہو جب دونوں کے طریق کار جدا جدا ہیں تو نتائج بھی الگ الگ ہوں گے۔ جب ان دونوں طریقہ ہائے علاج میں کوئی بات بھی مشترک نہیں تو پھر دونوں ایک کس طرح ہوئے اور ایک دوسری کی ترقی یافتہ صورت اور ارتقائی حالت کیسے ہو سکتی ہے؟

اس امر میں شک نہیں کہ طب یونانی اور یورپی طب دونوں طریق کا نام علاج بالضد (AELOEPATHY) ہے۔ یعنی ہر مرض، حالت اور علامت کا علاج اس کی ضد سے کیا جائے یا زمان و مکان کی ترقیات کو نظر انداز کرنے سے دونوں کی ایک ہی شکل نظر آتی ہے۔ تاریخ بھی بظاہر دونوں کا ایک ہونا ظاہر کرتی ہے۔ لیکن جب تاریخ طب کا محققانہ مطالعہ کیا جائے تو یہ تمام مغالطے دور ہو جاتے ہیں، خصوصاً جب ایک محقق تاریخ طب کا وہ باب مطالعہ کرتا ہے۔

جب یورپ ہسپانیہ کی درسگاہوں میں اسلامی علوم و فنون اور حکمت و رشد کی روشنی حاصل کرکے گمراہی اور جہالت کی حالت سے نکل کر علمی و عملی زندگی میں قدم رکھ رہا تھا۔ مگر قومی اور مذہبی تعصب کے زیرِ اثر اسلامی علوم و فنون اور حکمت و رشد سے فرار کی راہ نکال رہا تھا۔ گویا اس تعصب کے باعث فطرت اس کو ایک گمراہی، تاریکی اور جہالت سے نکال کر ایک دوسری گمراہی اور تاریکی میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اسلامی علوم و فنون کے ساتھ تعصب رکھنے کے باعث ہر علم و فن اور حکمت و رشد کے بنیادی اصولوں کو بھی نظر انداز کر بیٹھا اور اس نے اپنے لئے ایک جدید راہ عمل اختیار کر لی۔ اسی تعصب کے باعث وہ بے علمی و غفلت میں قوانین ارتقائے علوم و فنون کی اہمیت کو بھی نظر انداز کر بیٹھا اور پھر صدیوں کے لئے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے لئے میدان میں آگیا۔ بالکل ایسے جیسے کوئی آدمی جہاز والوں سے ناراض ہو کر اندھیری رات میں جہاز سے سمندر میں چھلانگ لگا دے اور یہ خیال کرے کہ وہ جہاز کی حالت سے بہتر رہے گا بلکہ اس سے پہلے منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ نے اپنی اسی جد و جہد میں سینکڑوں نئے قوانین دریافت کئے کیونکہ جد و جہد کا ثمرہ ضرور ملتا ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو یہ قوانین پہلے ہی اسلامی علوم و فنون اور حکمت و رشد میں موجود ہیں اور جو قوانین ان کے خلاف اخذ کئے گئے ان سے بعد میں بعد از خرابی بسیار دستبردار ہونا پڑا۔ اور بھی بے شمار قوانین اور قواعد اسلامی دورِ تہذیب کے باقی ہیں۔ جہاں تک یورپ کی رسائی نہیں ہوئی۔ الغرض یورپ کا وہ دور خاصہ اہم ہے جب وہ اسلامی تہذیب و تمدن، علوم و فنون، حکمت و رشد اور طب و فلسفہ سے برگشتہ ہو کر اس کی کتب جلا رہا تھا اور ان کے خلاف نفرت کی آگ پھیلا رہا تھا۔ یہی غلط اور نفرت انگیز روش علم طب اور فنِ علاج کے ساتھ بھی اختیار کی گئی جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان ہو گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ نے صدیوں کے ارتقائی اصولوں کو نظر انداز کر کے جو خود ساختہ قانون بنائے وہ اکثر بے بنیاد نکلے اور فن کا ساتھ نہ دے سکے اور تقریباً ہر نصف صدی کے بعد بدلتے رہتے ہیں۔

## طب کی ارتقائی ترقی

یونانی طب نے اسلامی دور میں بے حد ترقی کی ہے اس لئے بعض لوگ اس کو اسلامی طب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت طب نہ یونانی ہے اور نہ اسلامی بلکہ یہ ایک ایسا علم ہے جس سے حالاتِ بدن سے آگاہی ہوتی ہے۔ اس کی غایت صحت جسمانی کو قائم رکھنا اور وہ مبتلائے مرض ہو جائے تو صحت کی طرف لوٹانا ہے۔ یہ تمام نام اضافی ہیں اور بعد کے زمانوں میں ان زمانوں کی یاد اور تاریخ کے طور پر ان کو ان ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ ہر نام اپنے اندر مختلف اصول رکھتا ہے۔ اس لئے ان کو طب یونانی، طب یورپی، طب ہندی وغیرہ کی بجائے یونانی طب کے اصول، یورپی طب کے اصول اور ہندی طب کے اصول کی صورت میں جاننا چاہئے لیکن اس امر کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے کہ علم طب ایک واحد علم ہے اور اس کا موضوع صرف زندہ جسم (جس میں انسان کے ساتھ حیوان اور نباتات بھی شریک ہیں) ہے اور غایت حفظ صحت اور علاج ہے۔ البتہ مختلف ازمنہ اور ادوار میں اس کی غایت کو زیادہ نفع بخش بنانے کے لئے اس کے اصولوں اور قوانین میں تدوین و اضافہ، تحقیق و تجدید اور ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی لیکن مقصد یہی رہا کہ صحت، طاقت، جوانی بلکہ زندگی کو ہمیشہ قائم رکھا جائے۔ ہر زمانے اور دور کے اصولوں اور طریق علاج کا ایک مختلف نام پڑ گیا۔ اس لئے جب ہم کہتے ہیں طب یونانی یا ہندی طب یا یورپی طب تو ہمارا مقصد ان کے اصول و طریق کا بیان کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ علم طب ہی جدا جدا ہیں یا ان کا موضوع اور غایت مختلف ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے مذاہب کہ ہر زمانے اور دور میں جدا جدا اصول و قوانین لے کر پیدا ہوئے لیکن ان سب کا مقصد ایک ہی ہے کہ انسان اس دنیا میں بہتر طریق (اصول فطرت اور عقل) پر زندگی گزارنے اور موت کے بعد نجات ہو جس مذہب کے اصول عقل و فطرت کے مطابق ہوں

گے اس میں زندگی کی خوشحالی اور نجات کا تعین تسلی بخش ہوگا۔ بالکل یہی اصول اور طریقِ کار ہر طب اور طریقِ علاج میں پایا جاتا ہے کہ جس طب اور طریقِ علاج کے قواعد، اصول اور قوانین فطرت اور عقل کے مطابق یا زیادہ قریب ہوں وہی طریقِ علاج یا طب دوسری طبوں سے بہتر اور افضل ہے۔ آئندہ چل کر ہم اس پر بحث کریں گے کہ فطرت اور عقل کے مطابق علاج کس قسم کا ہونا چاہئے جو ایک عام انسان سے لے کر ایک ذہین آدمی تک قابلِ قبول ہو سکے۔

## ایلوپیتھی کی ابتدا

کرنل بھولا ناتھ اپنی کتاب علم و عمل کے صفحہ ۱۶۱ پر تحریر کرتے ہیں" اہلِ عرب کی علمی ترقی کا سورج جس کی شعاعوں نے فرنگستان کے دارالعلوموں کو کئی صدیوں تک منور رکھا ہسپانیہ کے زوال کے ساتھ غروب ہوتا ہے۔ سپین کے عیسائیوں کا جب عربوں اور موروں کے ساتھ میل جول ہونے لگا اور انھوں نے مشرقی تہذیب اور ترقی کو دیکھا تو ان کے دل میں بھی تحصیلِ علم کا شوق پیدا ہوا۔
آگے چل کر لکھتے ہیں" مقام سلانو جنوبی اٹلی میں پادریوں نے ایک یونیورسٹی بنائی تھی جس میں طبابت بھی جزوی طور پر سکھائی جاتی تھی۔ مگر علاج کا دارومدار ابھی تک پرانے اصولوں اور طریقوں (اسلامی طب) پر ہوتا تھا۔ ۱۳۰۰ء میں مان پیلے ار" میں ایک شفا خانہ قائم کیا گیا جہاں پر بیماریوں کی علامات کا مشاہدہ اور دواؤں کا امتحان باقاعدہ طور پر کیا جانے لگا۔ شاہ فریڈرک دوم نے ۱۳۳۲ء میں فرمانِ شاہی جاری کیا تھا کہ مقام سلانو میں پانچ سال میں ایک بار آدمی کی لاش تشریح سیکھنے کی غرض سے چیری جائے اور اس کی مملکت کے تمام اطباء اور حکما اس موقع پر حاضر ہوں۔ اس کے بعد حکامِ سلطنت وینس نے بھی اس قسم کے احکام جاری کئے" زمانہ دراز تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اہلِ یورپ اہلِ عرب کی شاگردی پر فخر کرتے رہے اور ان کی درسگاہوں سے سیکھ کر اپنے ملک میں انہی کے اصولوں پر علاج کرتے رہے۔ شاہی درباروں میں عربی اطباء پسند کئے جاتے اور یورپی اطبا اور حکیم بھی وہی لباس پہننا باعثِ صد عزت خیال کرتے تھے۔ آگے چل کر کرنل موصوف لکھتے ہیں" فلسفہ میں ابن رشد کی کتابوں اور شرحوں نے ارسطالیس کو معلمِ اول بنا دیا تھا اب طب میں جالینوس، بقراط اور ابن سینا کے کمال کا ڈنکا یورپ کے دارالعلوموں میں بجنا شروع ہوا۔ بہت عرصہ یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔ عربی کتب کے یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمے کئے گئے۔ بلکہ ان کی شرحیں لکھی گئیں۔ ان کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور ہر ملک نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ اس کے بعد کرنل موصوف کے لفظوں میں" یورپ والوں کو یہ سوجھی کہ بجائے عربی ترجموں کے حکمائے سلف کی اصل تصانیف کی تلاش کرنی چاہئے چنانچہ حکمائے یونان اور روسا کے پرانے نسخے مدفون اور معبد کے تہ خانوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے گئے اور علم تشریح اور افعال الاعضا کو از سرِ نو تازہ کیا گیا۔ سب سے پہلا باقاعدہ تشریح دان ( [illegible] ) گزرا ہے۔ یہ شخص پیڈوا مقام اٹلی کا رہنے والا تھا اور اس کی پیدائش کی تاریخ ۲ دسمبر ۱۵۱۹ء ہے۔ اس نے فرانس اور اٹلی کے دارالعلوموں میں تعلیم پا کر تشریح کی ایک نہایت خوبصورت کتاب مسمیٰ" داہیومینیائی کارپورس تابریکا" تصنیف کی جو اب تک پرانے کتب خانوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی حکیم نے سب سے پہلا سطلیفائی تنگ" کا جراحی عمل" شاہ دوم کارلو" پر کیا۔ مدت تک یہ سلسلہ بھی چلتا رہا اور عربی تراجم و شروح کے ساتھ ساتھ" تالیفات و تصنیفات کی بھی کثرت ہو گئی۔ بعض مقامات پر طبی درسگاہیں اور ہسپتال بھی قائم ہو گئے۔ اس کے بعد ایک زبردست انقلاب آگیا۔

## ایلوپیتھی میں تعصب کی ابتدا

یورپ کے علمی ترقی کے پہلے دور میں عربی طب کو اپنایا گیا۔ عربی طبی کتب کے تراجم و شروح لکھی گئیں۔ انہی اصولوں پر درسگاہیں اور علاج میں بھی وہی طریق اختیار کیا گیا۔ دوسرے دور میں یونانی طب کی اصل کتب کی تلاش۔ ان کے تراجم اور تفاسیر لکھی گئیں۔ پھر تیسرا دور شروع ہوا۔ اور یہ دور علم دفنی کے لئے انتہائی خطرناک تھا۔ ملک بھر میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ عربی طب سے نفرت اور انتہائی تعصب پیدا ہو گیا۔ اس

انقلاب نے جس کے نفسیاتی اثرات بہت گہرے ہیں۔ ملک بھر میں عربی طب کے خلاف انتہائی نفرت اور تعصب پیدا کر دیا۔ چونکہ علم و فن میں نفرت اور تعصب بے معنی شے ہے اس لئے ایلوپیتھی اپنے صحیح ارتقائی راستہ سے ہٹ کر غلط راستہ پر گامزن ہو گئی۔ کرنل موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں: "اس کے بعد حکیم پیراسلوسس (۱۴۹۰ء تا ۱۵۴۱ء) نے علانیہ طور پر حکمائے سلف کے مسائل کے ساتھ اختلاف ظاہر کیا۔ اس کے علم و کمال میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ مگر اس میں بھی شک نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص خود پسند اور کسی قدر خبطی تھا۔ اپنے علم کے زعم نے اس نے جالینوس اور ارسطو کی کتب کو اپنے شاگردوں کے سامنے پبلک میں جلا دیا۔ ایک تو پیراسلوسس کی سرکشی نے جالینوس اور ابن سینا کی توقیر کو بہت کچھ گھٹا ڈالا تھا۔ اس کے اوپر پندرھویں صدی میں چند ایک بیماریاں اس قسم کی نمودار ہوئیں جن کا ذکر پرانی کتب میں نہ تھا۔ مثلاً آتشک، طاعون اور رکٹس وغیرہ"۔ از کرنل بھولا ناتھ

## ایلوپیتھی کی بنیادی غلطی

عربی طب یا یونانی طب کے خلاف نفرت و تعصب اور مظاہرے کرنل موصوف کے بیان کے مطابق پیراسلوسس کے خود پسند اور خبطی قسم کے انسان ہونے کا نتیجہ تھے۔ اور نئے امراض کی نمود کوئی اہم بات نہ تھی۔ کیونکہ طب عربی میں علم العلاج اور علم الامراض کے تحت جہاں امراض و علاج کو انفرادی طور پر بیان کیا گیا ہے وہاں اجتماعی طور پر کلی قوانین بھی بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ جو امراض اور علامات علم العلاج و امراض میں مذکور نہ ہوں، ان کا بھی علاج کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں کلی قوانین میں ایک طویل اور مفصل بحث موجود ہے۔ حکیم پیراسلوسس اور اس قسم کے دیگر اطباء کو نفرت و تعصب نے اندھا کر دیا تھا اور نہ وہ علم و فن کا کوئی خاص فاضل تھا ورنہ آج بھی عربی طب میں مندرجہ بالا امراض کا علاج احسن طریق پر کیا جا سکتا ہے اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ یورپ تک جو کتب و تعلیم پہنچی وہ زیادہ تر ہسپانیہ کے مدرسۂ فکر کا نتیجہ تھی۔ لیکن اس علم و فن کا بہت بڑا خزانہ مشرق وسطیٰ میں پایا جاتا تھا جس میں ان دنوں بغداد کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس مدرسۂ فکر میں ایسے ایسے حکماء پیدا ہوئے جن کا جواب آج بھی دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ جن میں شیخ الرئیس ابن سینا، ذکریا رازی اور فارابی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس زمانے کی یہ اولین غلطی تھی کہ عربی علم طب و فن کو نہ صرف بنیادی طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ بلکہ تعصب و نفرت کے ساتھ اس کو نذر آتش کرنے کی حماقت کی گئی۔ اس زمانے کے انقلاب کی وجوہات پر تبصرہ کرتے ہوئے کرنل موصوف لکھتے ہیں "حکیم گلیلیو کی تحقیقات اور بیکن نے علوم و فلسفہ کو پرانی کٹھالیوں میں سے نکال کر نئے سانچوں میں ڈھال دیا تھا۔ کپلر، کوپرنیکس اور نیوٹن کی تحقیقات نے اس کی عالیشان عمارت کو منہدم کر کے نئے آسمان اور نئی زمین کی بنیاد ڈالی۔ اسی زمانہ میں نئی دنیا نے نیا جلوہ دکھایا۔ میگیلن نے زمین کے گرد سفر کر کے ثابت کر دیا کہ زمین گردی شکل ہے مسطح نہیں۔ ڈالٹن نے ظاہر کیا کل مادی کمنونات چھوٹے چھوٹے اجزا سے ترکیب پائے ہوئے ہیں اور اس کا نام ایٹم یعنی جزو لا یتجزیٰ رکھا۔ اسی طرح پروفیسر ہیلمولٹس کے عجیب و غریب تجاریب و امتحانات کے رو سے ہر کسی کو ماننا پڑا کہ مادہ اور قوئی دائم اور باقی ہے۔ یہ کسی صورت میں نیست نہیں ہو سکتے۔ ادھر ڈارون کے نظریہ کے مطابق ارتقائے قوانین کے آگے کل موجودات اور موالید ثلاثہ کو سر جھکانا پڑا۔ غرضیکہ ہر عالم اور فلسفی اس بات کا قائل ہو گیا کہ کل کمنونات پر ایک ہی قانون جاری ہے اور سارے علوم و حکمت میں یگانگت اور اتحاد ہے"۔

کرنل موصوف نے مندرجہ بالا جن تحقیقات اور اختراعات و ایجادات کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو دیکھ لیتے کہ ان میں سے اکثر جدید تحقیقات غلط ثابت ہو گئی ہیں۔ اور بعض اختراعات جن کو یورپین لوگوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ عرب لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ جیسا کہ سائنس کا ہر طالب علم جانتا ہے اور آئندہ چل کر ان کی حقیقت کو اچھی طرح واضح کیا جائے گا۔

البتہ یہ جان لینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ایجاد و اختراع دو جدا جدا چیزیں ہیں

ایجاد تحقیقات کا نتیجہ ہے جو قدیم معلومات سے وجود میں آتا ہے اور اکثر قدیم علوم و فنون سے اس کا تعلق ہوتا ہے چاہے قاعدے اور اصول بدل جائیں لیکن اس کا اشارہ اسی علم و فن کی طرف ہی ہوتا ہے جس میں یہ ایجاد اور جدید تحقیق ہوتی ہے۔ جیسے علم الابدان ایک علم ہے لیکن اس کو جن زاویوں سے دیکھا جائے گا وہ اس کے مختلف نظریات ہوں گے اسی طرح فنِ علاج میں مختلف طریق علاج ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے کسی حقیقت پر بنیاد رکھی ہے اور جو حقیقت فطرت کے زیادہ قریب ہے وہ قانون بن جاتی ہے۔

اختراع کسی بالکل نئی شے یا مظہرِ فطرت کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ چیزیں زمانے کے ساتھ ساتھ انسانی طلب سے معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے پہیئے کی اختراع یا اچانک ظہور میں آجاتی ہیں۔ جیسے ایکس ریز (X-RAYS) کا علم اچانک اور خود بخود ہو گیا یہ اختراعات بھی جدید تحقیقات اور ایجاد کی طرح اس وقت تک زمانے کا ساتھ دیتی ہیں جب تک کوئی نئی اختراع کا ظہور نہ ہو جب کوئی نیا قانون، اصول اور ایجاد و اختراع وجود میں آجاتی ہے جو پہلے کی نسبت زیادہ مفید اور فطرت کے قریب ہو تو گزشتہ ایجادات و اختراعات کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح زمانے میں ہزاروں اصول و نظریات بلکہ قاعدے اور قوانین اور سینکڑوں ایجادات و اختراعات ختم ہو گئیں یا ان کی شکل صورت ارتقا کی منزلیں طے کر گئی دراصل انسان اپنی ضرورت دیکھتا ہے اور اس کے مطابق شے یا قانون طلب کرتا ہے اور پھر جدوجہد کرتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

## ایلوپیتھی کی اوّلین غلطی

ظاہر ہے تو ایلوپیتھی نے تجدید و تحقیق اور اصلاح و اضافہ کی طرف قدم بڑھایا اور علم طب کے ہر شعبہ میں جدت و تحقیق شروع کر دی مگر جلد بازی اور شوقِ ترقی میں علم طب کے بنیادی قوانین کو نظرانداز کر دیا۔ چنانچہ جہاں پر انہوں نے تحقیقات کے جوش میں امورِ طبعیہ (ESSENTIAL LAWS OF PHYSIC) کو اپنی تحقیق کا زاویہ نگاہ بنایا اور اس پر



سالہا سال تک داد تحقیق دی۔ اور اس میدان میں بہت سی مفید معلومات بھی بہم پہنچائیں لیکن حقیقت کو اپنے قبضہ میں نہ رکھ سکے اور ان امورِ طبعیہ کو نظرانداز کر دیا۔ یہاں تک تو خیر کوئی بات نہ تھی کہ کسی اصول کو غلط سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ البتہ یہ ضرور مناسب تھا کہ اس کی جگہ پوری کرنے کے لئے کوئی قواعد و قوانین اور اصول بھی مقرر کئے جاتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور یہ ایلوپیتھی کی اوّلین غلطی تھی۔

جاننا چاہئے کہ امورِ طبعیہ ایسے قوانین کا مجموعہ ہے کہ ان میں سے اگر ایک کی بھی نفی کر دیں تو ہم انسانی زندگی کو قائم نہیں رکھ سکتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک طرف ان قوانین کا انسانی زندگی کے ساتھ لازمی تعلق ہے اور دوسری طرف ان کا گہرا تعلق کائنات کے ساتھ ہے۔ گویا ان قوانین کو زندگی اور کائنات سے ہم آہنگ کر دیا گیا ہے۔ یہ قوانین تعداد میں سات ہیں (۱) ارکان (FUNDAMENTAL ELEMENTS) (۲) مزاج (TEMPARAMENT) (۳) اخلاط (BLOOD COMPOUND) (۴) ارواح (SPIRITS) (۵) قویٰ (VITAL FORCE) (۶) اعضا (ORGANS) (۷) افعال (ACTIONS)

ہر صاحب علم و عقل دیکھ سکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا جا سکتا اور اگر کسی ایک کو ترک بھی کیا جائے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قانون مقرر کیا جانا ضروری ہے لیکن مغربی طب نے ان سب کو یک قلم چھوڑ دیا اور ان کے قائم مقام کوئی قوانین و اصول مرتب نہیں کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی اور کائنات کی ہم آہنگی کی صورت ختم ہو گئی اور مغربی طب چند بے ربط، بے جوڑ اور غیر منظم نظریات کا مجموعہ ہو کر رہ گئی۔ یعنی جس کسی نے بھی علم طب میں کوئی تحقیق شروع کی اور اس میں بہت کچھ حاصل بھی کیا۔ لیکن یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ اس کا زندگی کے اہم مسائل خصوصاً امورِ طبعیہ کے ساتھ کیا تعلق ہے اور زندگی اور کائنات کو کہاں تک ہم آہنگ کرتی ہے۔ مثلاً ایک شخص اٹھتا ہے اور عناصر پر تحقیقات کرنے کے بعد یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ چار نہیں بلکہ زیادہ ہیں اور یہ ہوا پانی اور مٹی مفرد نہیں

بلکہ مرکب ہیں۔ ہم اس کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن ان چار عناصر کا جو تعلق انسان کے ابتدائی خمیر سے تھا اور جس پر اس کے مزاج اور صحت کی عمارت قائم تھی وہ ختم ہو گئی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انسان کے اسی مزاج کو کائنات کے مزاج سے جو تطبیق دی گئی تھی اس کا تصور بھی ختم ہو گیا مثلاً کائنات میں جو بھی موسم ہوتا ہے ہم اس کی گرمی، سردی، خشکی اور تری کے اثرات کو انسان پر یقینی سمجھ لیتے ہیں اور ہر موسم کی بیماریاں اس کے اثرات کے ماتحت ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو کائنات کے ان عناصر سے جتنا زیادہ قریب ہے، اتنا ہی ان سے متاثر ہے مثلاً کوئی میدانی علاقے کا باشندہ ہے۔ کسی کو سمندر کا قرب حاصل ہے اور کوئی پہاڑ پر اپنی زندگی گذارنے پر مجبور ہے یا کوئی شہر میدانی علاقہ میں واقع ہے جہاں سخت گرمی پڑتی ہے اور کوئی شہر پہاڑ کے دامن میں اور کوئی سمندر کے کنارے آباد ہے تو یقینی امر ہے کہ ان عناصر کا فرداً اور اجتماع دونوں پر اثر پڑے گا۔

اب ہم ان عناصر کے قانون کو بدلتے ہیں اور چار کی بجائے سو مقرر کرتے ہیں اور جسم انسان میں چودہ مقرر کرتے ہیں اور اس کو صحیح بھی فرض کر لیتے ہیں۔ لیکن اب بتلایئے کہ ان کو زندگی اور کائنات سے کیسے تطبیق دیں۔ موسم کے اثرات کو کس طرح سمجھیں، علاقائی قرب کا اندازہ کیسے لگائیں۔ انفرادی طور پر جب کسی پر کیفیات کا اثر ہو یا اس کے مزاج میں خرابی پیدا ہو تو ان کا کیسے اندازہ لگائیں۔ ایک شخص سردی سے متاثر ہوتا ہے تو یہ کیسے معلوم کریں کہ یہ سردی پانی کے اثرات کا نتیجہ ہے یا سرد ہوا کا نتیجہ ہے اور پانی کے استعمال سے جو تکلیف ہو تو اس بات کا پتہ کیسے چلے کہ اس شخص کو پانی کی ہائیڈروجن تکلیف دے رہی ہے یا آکسیجن نقصان پہنچا رہی ہے۔ اسی طرح انتہائی گرمی بھی ضعف قلب پیدا کر کے دل کی رفتار کم کر دیتی ہے اور انتہائی سردی بھی قلب کو ٹھنڈا کر کے اس کی رفتار سست کر دیتی ہے۔ اب ان امور کا اندازہ کیسے لگایا جائے۔ تفصیل تو یہ ہے کہ یورپ میں زیادہ تر سردی پڑتی ہے۔ وہاں پر جب کسی کو غشی یا دل گھٹنے کا دورہ پڑتا ہے وہاں فوراً سپرٹ



امونیا ایرومیٹک اور دیگر اسی طرح کی گرم و تیز مقوی قلب دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن گرم ملک میں جب ایک شخص کو گرمی سے ضعف قلب ہو جاتا ہے تو یہ ادویات بجائے آب حیات کے زہر قاتل ثابت ہوتی ہیں۔

اسی طرح ہوا بھی کئی عناصر سے مرکب ہے اور کوئی آدمی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس وقت کاربن نقصان پہنچا رہی ہے یا نائٹروجن باعث تکلیف ہے یا ہوا اور پانی کے اندر کوئی دوسرا زہر اثر کر چکا ہے جو باعث تکلیف ہے۔ بہر حال اس سے زندگی اور کائنات کے طبعی تعلق سے انسان خالی الذہن ہو جاتا ہے۔ جب یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ گرمی اور سردی کا انسان پر اور کائنات پر یقینی اثر ہے اور علاج کے دوران میں بھی ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ نمونیا کے مریض کے لئے اس کمرے کا درجہ حرارت گرم کرنا پڑتا ہے اور محرقہ بخار کے مریض کے ماحول کو سرد کرنا پڑتا ہے۔ آخر کیوں؟ اگر یہ مسلمہ حقیقت ہے تو مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا اور انسان اور کائنات کے مزاج کو تطبیق دینا پڑے گی اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں علاج میں خرابیوں اور ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اگر جسم انسان کے اندر جو چودہ عناصر ہیں ان کو چار عناصر کی جگہ اپنایا جائے تو اول تو ہم کو انسان کے اندر چار امزجہ کو چھوڑنا پڑے گا۔ یہ تو خیر کوئی بات نہیں! لیکن ان چودہ امزجہ کو کائنات کے ساتھ کیسے تطبیق دی جائے گی جبکہ کائنات میں ایک طرف چار چار موسم ہیں اور دوسری طرف سو سے زائد عناصر معلوم ہو چکے ہیں۔ مغربی طب نے اس مسلمہ حقیقت کو چھوڑ کر فن علاج پر جو ظلم کیا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ عناصر کی طرح دیگر طبعی امور کو بھی اسی طرح نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کی مزید تشریح آئندہ صفحات میں بیان کریں گے اور ثابت کریں گے کہ ان کے بغیر کوئی علاج ممکن نہیں اور ہر ایسا علاج غیر علمی اور عطائیانہ ہے بلکہ علم طب پر ایک بدنما دھبہ ہے۔

یونانی طب اور آیورویدک میں بھی بہت سے ایسے اصول ہیں جن کو غلط کہا جا سکتا

ہے لیکن ان کے بنیادی قوانین اور قاعدے ایسے ہیں کہ وہ سب کے سب ایک نظام کے ساتھ مربوط ہیں اور اس نظام کی کسی ایک کڑی کو بھی نکال دینے سے بھی وہ سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ہومیوپیتھی، بایوکیمک بلکہ کسی دوسری چھوٹی بڑی طب کو بھی دیکھا جائے تو اس کے بھی چند بنیادی قوانین و قواعد ہیں جن کے تحت اس کا فن علاج ترتیب دیا ہوا ہے۔ انہی بنیادی اصولوں کے تحت تشخیص ہوتی ہے اور انہی کے ماتحت علاج کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہومیوپیتھی میں اصول علامات کو اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی ہر مرض کی علامات کو اس دوا کی علامات سے تطبیق دی جاتی ہے جو تندرست آدمی کو کھلانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر صحتِ علامات کے بعد وہی دوا قلیل مقدار میں دی جاتی ہے۔ ان علامات کے ساتھ زندگی اور کائنات کے طبعی امور کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا جو انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں جس میں انسانی مزاج بھی شریک ہیں جیسے گرمی کی حالت میں دوا کی علامات کیا ہوں گی۔ سردی میں ان علامات میں کیا تغیر پیدا ہوگا، اسی طرح پانی کا اثر جسم پر کیا ہوگا اور ہوا کیسے تغیرات پیدا کرے گی بغرض انسانی جذبات، کائناتی تغیرات بلکہ ستاروں کے اثر کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ یہی حال دوسری طبوں کا بھی ہے مگر مغربی طب میں ایسا کوئی نظام اور ترتیب نہیں پائی جاتی جس سے تشخیص اور انسانی جسم کو سمجھنے میں سہولتیں ہوئیں اور علاج بھی اس کے مطابق باقاعدہ طریق پر ہو جائے۔ جب محققین مغربی طب نے عربی طب میں تحقیق کرتے ہوئے اس کی کمزور اور زنگ خوردہ کڑیوں یا اس کے لایعنی اور غیر علمی اصولوں اور قاعدوں کو نکال دیا تھا تو یہ تو کوئی بری بات نہ تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی لازمی تھا کہ ان کی جگہ مضبوط کڑیاں، صحیح اصول اور علمی قاعدے قائم کر کے اس سلسلے اور نظام کو قائم رکھا جاتا اور اگر وہ نظام بالکل ہی غلط اور غیر علمی تھا تو اس کی جگہ نیا نظام اور سلسلہ ترتیب دیا جاتا تاکہ باقاعدگی میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوتی لیکن ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں اپنایا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی طب ایک غیر علمی، بے قاعدہ بلکہ عطایانہ طریق علاج بن کر رہ گئی جس میں امراض کے لئے ادویات ہیں اور مریض کا کوئی علاج نہیں اور نہ اس کے پاس کوئی قانون ہے جس کے تحت مریض کا علاج کر سکے۔

بعض لوگ جو مغربی پروپیگنڈہ، شان و شوکت، عالی شان کالج و ہسپتال، شیشہ و آلات حسین و دلکش نرسیں اور جوشیلے ڈاکٹروں سے مرعوب و متاثر ہیں۔ وہ اسے بالکل غلط قرار دیں گے اور کہیں گے کہ یہ سب غلط اصولوں پر قائم ہے۔ لیکن جو لوگ ان تین بنیادی باتوں کو سمجھ جائیں گے وہ حقیقت کو پالیں گے (۱) حکومت کی سرپرستی (۲) مغرب کا بے پناہ پروپیگنڈہ اور (۳) ہماری ذہنی غلامی۔ اگر یہ کسی اور طریق علاج کو بھی حاصل ہو جائیں تو وہ بھی ایسے ہی عزت و احترام اور تقدس سے دیکھا جائے گا جیسے امریکہ میں ہومیوپیتھی کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے تو اس کی وہاں پر ایسی ہی شان و شوکت ہے اور خود ہمارے ملک میں بھی ہومیوپیتھک ڈاکٹروں کے مطب ایلوپیتھک ڈاکٹروں سے کسی طرح کم نہیں۔ بلکہ بعض تو ان سے بھی بڑھے ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہری شان و شوکت کے معنی یہ نہیں کہ اس کے اندر کچھ حقیقت بھی ہے۔ ہر چیز جو چمکتی ہے، ضروری نہیں کہ وہ سونا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی طب کے اندر نظام اور ترتیب ختم ہونے کے بعد وہ صرف چند تجربات کی مرہون منت رہ گئی ہے۔ اس میں کوئی مکمل قانون و اصول نہیں ہے ایک تھیوری دوسری کے خلاف اور ایک اصول دوسرے اصول سے متصادم و متضاد ہے جنہیں باہم کسی طرح مربوط نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بایں ہمہ وہ دنیا کی دوسری طبوں کا مذاق اڑاتی اور اسے غیر علمی قرار دیتی ہے۔ حالانکہ وہ خود انتہائی بے اصول، بے قاعدہ، غیر علمی طریق علاج ہے۔

مغربی طب کو غیر علمی اور بے قاعدہ ثابت کرنے کے لئے آئندہ صفحات میں ہم اس کے ایک ایک قانون اور اصول پر بحث کریں گے اور واضح کریں گے کہ یہ طریق علاج حقیقت اور سچائی سے اسی قدر دور ہے جیسے ظلمت نور سے، رات دن سے، باطل حق سے اور شرکی سے جدا ہے اور اس کے لئے ہمیں سینکڑوں سال پیچھے کی طرف لوٹنا پڑے گا اور اس عربی طب کو سامنے رکھنا پڑے گا جس کو اوّل اوّل مغرب والوں نے سیکھا گلے سے لگائے

رکھا اور پھر تجدید و تحقیق اور اصلاح کے نام سے ایسے غارہیں جا گرے کہ سالہا سال
کے ترقی یافتہ فن کو فنا کر دیا۔ ہم مغربی طب کے دشمن نہیں اور نہ ہی عربی طب کے
دوست ہیں بلکہ فن برائے فن یا فن برائے افادیت کے قائل ہیں۔ جہاں تک عربی طب
کا تعلق ہے وہ آیور ویدک اور یونانی طب کی ترقی یافتہ صورت ہے اور یہ ارتقائی منزلیں
اس نے صدیوں میں طے کی ہیں۔ ابتدا میں جو قاعدے اور اصول وضع کئے گئے تھے وہ
عربی طب میں تقریباً قوانین کی صورت اختیار کر گئے اور پھر ان قوانین میں ایک نظم و ربط
پایا جاتا ہے جو اس علم طب کی شان ہے جس کو افسوس، مغربی طب نے فنا کر کے سینکڑوں
سالوں کی محنت کو برباد کر دیا اور جو کچھ اس کی جگہ دیا وہ اتنا غیر علمی اور غیر مربوط ہے کہ پھر
صدیوں کے بعد ہی یہ نظام اور سلسلہ درست ہو کر اپنے مقام پر آئے گا۔

ہم عربی طب کے طرفدار نہیں ہیں کیونکہ ہمارا طریق علاج یہ نہیں بلکہ اس سے زیادہ
ترقی یافتہ (REFINE) ہے البتہ اس کی بنیادیں عربی طب پر قائم ہیں جس پر ہم نے ایک
عظیم قصر تعمیر کیا ہے۔ ہم نے مغربی طب کی طرح عربی طب کو نظر انداز نہیں کیا اور نہ غلط سمجھ
کر چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کی بنیادوں کی صحت و حقیقت کو تسلیم کر کے ان میں مزید تحقیق و اصلاح
کی ہے تاکہ وہ زود فہم اور اس کی افادیت پر تیقن پیدا ہو جائے۔

آئندہ صفحات میں ہم ثابت کریں گے کہ مغربی طب کیسے بنیادی مگر معیاری اور نہ
تبدیل ہونے والے قوانین سے فرار ہو کر بنیادی قاعدوں اور مسلّمہ قوانین سے سے کس قدر
دور نکل گئی ہے جس کے نتیجہ میں اس کا فن علاج غیر علمی بن کر رہ گیا ہے لیکن اس کو
پڑھنے سے قبل اس امر کو ضرور ذہن نشین کر لیں کہ ہمیں مغربی طب و جدید سائنس کی معلومات
اور تحقیقات کا پورا پورا احساس اور علم ہے جو انہوں نے مختلف علوم و فنون میں انفرادی طور پر
کی ہیں جس میں اکثر اپنے اندر سچائی اور افادیت بھی رکھتی ہیں۔ لیکن اجتماعی طور پر وہ فن
علاج کے لئے نقصان رساں اور غیر مفید ہیں۔

مغربی طب کو غیر علمی اور بے قاعدہ ثابت کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ
اول علم طب کے بنیادی قواعد اور قوانین بیان کر دیئے جائیں جن کی ترتیب سے یہ نظام علم طب اور فنِ
علاج مدون ہوا ہے تاکہ دوران بحث میں حقیقت سامنے رہے اور کہیں الجھن پیدا نہ ہو کیونکہ ہم اس اہم
اور انقلابی بحث میں صاحب ذوق اور خصوصاً اہل علم حضرات کو فضول و لایعنی اور طویل مباحث میں
نہیں الجھنا چاہتے بلکہ حقیقت سامنے رکھ کر فیصلہ ان کے حسن ذوق اور فضیلت علم پر چھوڑتے ہیں۔

## تین معیار

یہ جاننا چاہیے کہ حقیقت یا اس کے قریب پہنچنے کے لئے صرف
تین چیزیں پیش کی جا سکتی ہیں :-

**(۱) فطرت** (NATURE) :- کیونکہ دنیا اور زندگی کا ہر قانون اسی فطرت کے مطابق عمل میں آتا اور
صحیح نتیجہ دیتا ہے بلکہ ترقی و ارتقا کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرت کبھی نہیں بدلتی۔
"لاتبدیل لخلق اللہ" فرمان خداوندی ہے۔

**(۲) عقل** :- کیونکہ عقل ہی ایک ایسی طاقت ہے جو استقرا اور استنباط دونوں طریق پر ایک صحیح فیصلہ پر
پہنچ سکتی ہے۔ اس کی مدد سے ہم کلیات و جزئیات کو ترتیب و ترکیب دے سکتے اور ضرورت کے وقت
اسی کی مدد سے تصورات کو تصدیقات کی شکل دے سکتے ہیں۔

**(۳) تجرباتی مشاہدہ** :- اس کی ضرورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسانی ذہن کم مائگی علم سے
قوانین فطرت سے واقفیت نہیں رکھتا یا ذہنی کمزوری سے علوم عقلیہ سے آگاہ نہیں ہوتا۔ اس وقت
لازمی ہوتا ہے کہ تجرباتی مشاہدہ سے اس کی تسلی کر دی جائے تاکہ عوامی سے عوامی ذہن بھی حقیقت
سے گریز نہ کر سکے اور ہر کوئی حقیقت کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ ہم گذارش کریں گے کہ ہماری اس
تحقیقات اور معلومات پر تنقید کر لی جائے تو انہی اصولوں پر اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایسے ہی دیگر قوانین اور
کلیات بیان کر کے ان کے تحت کی جائے ورنہ وہ بے اصولی بحث سمجھی جائے گی اور قابل قبول نہ ہو گی
علمی مباحث ہمیشہ حکمت کے ماتحت بیان ہونے چاہئیں۔

ہم اس تحقیق میں عربی طب کے ان قوانین کو بھی ساتھ ساتھ بیان کریں گے جو صدیاں

گذر جانے کے بعد بھی اپنی جگہ قائم ہیں اور یہ ثابت کریں گے کہ ان میں سے بعض کو جو مغربی طب نے چھوڑا ہے تو یہ اس کی غلطی اور حقیقت سے ناواقفیت تھی اور بعض کو صرف اس لئے چھوڑا ہے کہ ان کا زاویہ نگاہ مختلف تھا۔ نتیجتہً مغربی طب غلط راستہ پر چلی گئی اور فن علاج میں تباہی پیدا ہو گئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس بحث میں ہم سلسلہ کی تمام کڑیوں کو منضبط، متعلق اور منظم رکھیں گے۔ ہمارا دعویٰ ذہن نشین رکھیں کہ عربی طب کے تمام قوانین صحیح ہیں۔

**تعریف علم طب** علم طب (MEDICINE) اس علم کا نام ہے جس کے ذریعے بدن انسان کے حالات صحت و مرض کا پتہ چلتا ہے۔ اس تعریف سے دنیا بھر میں کسی صاحب علم و فن کو انکار نہیں خواہ وہ مشرق کا ہو یا مغرب کا۔

**علم طب کی غرض و غایت** اس علم کی غرض و غایت یہ ہے کہ اگر جسم انسان صحت مند ہے تو اس کی نگہداشت کی جائے اس کو برقرار رکھا جائے اور مرض نہ پیدا ہونے دیا جائے۔ اگر مریض ہو گیا ہے تو حتی الامکان اس کے ازالہ کی کوشش کی جائے تاکہ پھر صحت مند ہو جائے۔

**موضوع** اس علم کا موضوع جسم انسان ہے۔ اگرچہ اس علم سے حیوانات و نباتات کی صحت و مرض کے ساتھ بھی بحث ہو سکتی ہے اور ان کے لئے بھی اس علم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں تخصیص اس لئے کر دی گئی ہے کہ اس میں جسم انسان کے ہر جزء، ہر کیفیت اور ہر حالت پر بحث ہو گی۔ یعنی اس میں جسم انسان کے ساتھ ساتھ اس کا نفس اور روح بھی زیر بحث آئے گی کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی جسم انسان سے متعلق ہیں اور ان کے بھی جسم انسان پر مفید اور غیر مفید اثرات پڑتے ہیں جس سے انسان اپنے جسم کے اعتدال کو قائم نہیں رکھ سکتا اور یہ حقیقت ہے کہ جسم انسان کا اعتدال روح اور نفس کے اعتدال کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

---

# علم طب کی حقیقت

جاننا چاہئے کہ علم طب دراصل علم حکمت کی ایک شاخ ہے جس کا تعلق جسم انسان کے ساتھ ہے۔ اس لئے بعض لوگ اس کو حکمت بھی کہتے ہیں۔ اور اسی مناسبت سے ہر طبیب حکیم بھی کہلاتا ہے۔

**حکمت کی تعریف** ایک ایسا علم ہے جس کے تحت انسان عقل کے ذریعہ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا حکمت قوتِ عقل کے صحیح فیصلہ کا نام ہے۔ یہ فیصلہ قوت متفکرہ اور قوت متخیلہ کے تحت ہوتا ہے اور فیصلہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قوت متفکرہ اور متخیلہ اپنی معلومات اپنے اپنے خزانہ یعنی حافظہ اور حس مشترک سے حاصل کرنے کے بعد ان میں تدبر و ادراک کرتی ہیں گویا متفکرہ استنباط (احکام لگانا) اور متخیلہ استقرار (تلاش کرنا) کرتی ہے جس سے کبھی کلیات سے جزئیات یا اس کے برعکس استخراج کیا جاتا ہے اور کبھی تصورات کو تصدیقات کی شکل دی جاتی ہے۔ غرض ان صورتوں سے گذرنے کے بعد جو کبھی شعوری اور کبھی غیر شعوری طور پر عمل میں آتی ہیں۔ حکمت اپنے صحیح فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔

علم طب کے ساتھ ہم نے حکمت کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ علم طب پر بحث کرنے کے لئے علم حکمت یا اس کی کسی شاخ کو مدنظر رکھنا پڑے گا۔ کیونکہ علم حکمت کے تحت ہی فلسفہ و منطق اور تجربہ و مشاہدہ آتے ہیں۔ اگر قوانین حکمت کو چھوڑ دیا جائے تو پھر صحیح معنوں میں کسی علم پر بحث و تحقیق نہیں ہوتی۔ افسوس ہے کہ آجکل علم حکمت اور عقلیات کے جاننے والے بہت کم ہیں اور اسی لئے عقلی قاعدوں اور حکمی کلیوں کی بجائے

زیادہ تر بحث جذبات کے تحت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم میں زوال آگیا ہے۔ اسی قسم کی غلطیاں مغربی طب کے حاملین بلکہ یورپ کے اکثر سائنس دانوں نے کی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان غلطیوں کا اعادہ نہ ہو۔ اس لئے ہم علم طب کے قواعد و قوانین کلیات و نظم کے تحت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مفصل و حکمت کے مبادیات اور حقائق کا بھی تذکرہ کرتے جائیں گے۔

## علم طب کی تقسیم

مغربی طب نے علم طب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) علمی یا نظری اور (۲) عملی۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور کائنات میں بھی فطری طور پر دو ہی صورتیں نظر آتی ہیں۔ ایک وہ جس میں ہم کسی چیز کے متعلق علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسری وہ صورت ہے جس میں کسی چیز کے عمل یا فوائد کے متعلق جاننا چاہتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ علم طب کیا کسی علم کے حاصل کرنے کی کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ "العلم علمان علم الابدان و علم الادیان"۔ اگرچہ اس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ علم دو ہی ہیں۔ بدن انسان کا علم (علم طب) اور علم دین (مذہب کا علم)، لیکن یہ تشریح صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بے شمار علوم مثلاً فلسفہ و منطق، ادب و شاعری، اخلاق و سیاست، سائنس و آرٹ، صنعت و حرفت وغیرہ اس میں نہیں آتے۔ اس لئے ہم اس کی صحیح تشریح یوں سمجھتے ہیں کہ ایک علم وہ ہے جس سے دنیا اور زندگی کی ہر شے کے بدنی حالات کا علم و تعارف وغیرہ حاصل ہو اور دوسرا وہ جس سے اس کے افعال و منافع کا علم و تعارف ہو جیسے کسی جماداتی، نباتاتی یا حیوانی قسم کے متعلق معلومات و معرفت حاصل کرنا اس کا علم الابدان ہوگا اور اس کے افعال و منافع، طریق عمل اور استعمال کا علم و تعارف علم الادیان کہلائے گا۔ دین کے معنی جزا و سزا، عمل و ردعمل، ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ علم دو ہی قسم کا ہے اول نظری یا علمی اور دوسرے عملی۔

یہاں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ طب بذات خود ایک علم ہے اس کی تقسیم علمی کیسے ہو سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم طب ایک کُلی علم ہے تقسیم علمی ایک جزوی مغائرت ہے



جس کو نظری بھی کہتے ہیں جس کے معنی فکری علم کے ہیں یعنی ایسا علم جس کا تعلق صرف فکر و نظر کے ساتھ ہے جس میں عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کی تعریف یوں ہوگی۔

## طب علمی یا نظری کی تعریف

وہ علم ہے جس سے زندگی اور کائنات کی اشیاء کی محض معرفت اور معلومات حاصل ہوتی ہے جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جس کی صورت اول اعتقادی ہوتی ہے۔ اگرچہ بعد میں بعض اعتقادات کی صورت استنباط و استخراج اور تصدیقات کے بعد عین الیقین اور حق الیقین کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بہرحال اس علم کا تعلق فکر و نظر اور اعتقاد کے ساتھ ہے۔ اس میں عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً عناصر کا علم یا موالید ثلاثہ میں ارتقائی مدارج کی معرفت وغیرہ۔

## طب عملی کی تعریف

وہ علم ہے جس کا تعلق عمل کے علم سے ہے محض عمل سے نہیں ہے یعنی اس کی فعلی صورت کو جاننا ہے عمل کو فعلی صورت میں لانا نہیں ہے۔ اس علم میں ایسے مسائل سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے گویا یہ علم ایسے اعتقادات نہیں ہیں جن کا جاننا صرف فکر و نظر تک محدود ہو بلکہ اس کا تعلق کیفیت عمل سے ہے اگرچہ صرف علم کی حد تک ہے فعلی صورت اس میں شامل نہیں۔

یہاں اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر علم طب کا ایک حصہ عملی بھی ہے تو مجموعہ طب کو علم کہنا درست نہیں اور یہ تعریف جامع نہیں اور تعریف مذکور کے لحاظ سے قسم عملی طب کی تعریف سے خارج ہو جاتی ہے کیونکہ عمل کیفیت محسوسہ ہے اور علم کیفیت غیر محسوسہ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قسم عمل کا تعلق فعلی صورت کے ساتھ نہیں ہے جس میں حرکات بدنیہ اور اعضاء و جوارح کا استعمال ہوتا ہے بلکہ اس سے ایسا علم حاصل ہونا مراد ہے جس کا تعلق کیفیت عمل سے ہو اور صرف اسی مناسبت سے اس کو عمل کہا جاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس میں عمل کی فعلی صورت پائی جائے جیسے جاننا کہ ہر مرض کا علاج بالضد کیا جاتا ہے۔ بوعلی سینا

نے علم طب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور یہی مذہب ہم نے بھی اختیار کیا ہے، بلکہ دنیا کے تمام علوم کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس تقسیم کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ آئندہ صفحات میں بھی جن مسائل و نظریات پر بحث کریں گے وہ تمام مسلمہ حقیقت ہوں گے، جو شخص چاہے ان کو عقلی، نظری، تجرباتی اور اصول و قوانین کے تحت پرکھ کر دیکھ لے یہ صرف ہماری ذاتی آرا نہیں ہوں گی بلکہ سائنسی و علمی تحقیق و تدقیق ہیں۔

طب علمی و عملی کو آئندہ پھر تقسیم کیا گیا ہے جس سے اس کا ایک مکمل ڈھانچہ تیار کر دیا گیا ہے

## طب علمی کی تقسیم

طب علمی کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) امور طبعیہ (۲) حالات بدن (۳) اسباب (۴) علامات۔ ان سب کی تفصیل آئندہ صفحات پر اپنے مقام پر بیان کی جائے گی۔

## طب عملی کی تقسیم

طب عملی کو بھی پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) علم حفظان صحت (۲) علم العلاج۔ ان کی بھی آئندہ تقسیم اور تفصیل اگلے صفحات میں اپنی جگہ بیان ہو گی۔

یہ علم طب کا ایک ڈھانچہ اور اس کی حدود ہیں۔ باقی اسی خاکے کو پر کرنا اور نمایاں کرنا ہے ہمیں بتایا جائے کہ علم العلاج کا کوئی مسئلہ، نظریہ، قانون اور قاعدہ اس سے باہر رہ گیا ہو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسا نہیں۔ یہ چیلنج بار بار اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ہم علم طب کو یقینی طور پر پیش کر سکیں۔ ظنی باتوں کو ہم خود ماننے کے لئے تیار نہیں۔

# طب علمی کے چاروں حصوں کی تعریف و تقسیم اور تفصیل و تشریح

## امورِ طبعیہ کی تعریف

امور طبعیہ ایسے چند امور ہیں جو بدن انسان کے وجود کے لئے بنیاد اور لازمی ہیں اور اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی نفی یا عدم فرض کر لیا جائے تو بدن انسان کا قیام بالکل ناممکن ہو جائے گا۔ یہ تعداد میں



سات ہیں (۱) ارکان (۲) مزاج (۳) اخلاط (۴) اعضاء (۵) ارواح (۶) قویٰ (۷) افعال۔

آگے بڑھنے سے قبل ہم ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ "امور طبعیہ" کی تعریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نفی یا عدم فرض کر لیں تو بدن انسان کا قیام بالکل ناممکن ہے۔ یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے۔ کوئی اس دعوے کو توڑ سکتا ہے تو آئے اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ان سات امور پر کسی اور امر کا اضافہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیا مغربی طب نے ان پر کسی امر کا اضافہ کیا ہے؟ نہیں اور بالکل نہیں! البتہ ان میں سے اکثر کو چھوڑ دیا ہے، جیسے مزاج، ارواح، قویٰ اور افعال جن تین (ارکان اخلاط۔ اعضاء) کو اختیار کیا ہے ان میں سے اول الذکر دو کو یونانی طب سے مختلف طریق پر اختیار یا بیان کیا ہے البتہ تیسرے کو بڑی تحقیق و تفصیل سے بیان کیا ہے جس پر تشریح الابدان اور منافع الاعضاء کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس میں ڈاکٹر ہاروے کو خاص مقام حاصل ہے کہ اس نے دوران خون کو بہت اچھے طریق پر بیان کیا۔ اگرچہ عربی طب میں اس کے اثرات نمایاں پائے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ مغربی طب نے ارواح و قویٰ اور افعال کا انکار کر دیا تھا۔ اس لئے ان سے اعضاء کے سلسلہ میں دوران خون کے تحت ارواح و قویٰ اور افعال کا تعلق قائم نہیں رہ سکا۔ یعنی اعضاء کے افعال جو قویٰ اور ارواح بطور عامل کرتے ہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔ اس بات کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ دوران خون تمام جسم میں جاری ہے لیکن جب کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو وہاں دوران خون کم یا زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس مسلمہ حقیقت سے کسی کو مجال انکار نہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اعضائے رئیسہ (دل۔ دماغ۔ جگر) میں سے کسی ایک کی طرف اگر دوران خون زیادہ ہوتا ہے تو (۱) کیوں ہوتا ہے یعنی کون سی طاقت ایسا عمل انجام دیتی ہے۔ (۲) اس عضو کی کیا حالت و کیفیت ہوتی ہے (۳) جب کسی ایک عضو کی طرف دوران خون تیز ہوتا ہے تو باقی دونوں اعضاء کی کیا حالت و کیفیت ہو گی اور کیوں؟ مثلاً دوران

خون دماغ کی طرف تیز ہے تو کیوں؟ دماغ کی اس وقت حالت وکیفیت کیا ہے اور ساتھ ہی دل وجگر کی کیفیت وحالت کیا ہے اور کیوں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب مغربی طب میں قطعاً نہیں ہے جس سے فن علاج میں از حد خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ان کا جواب بغیر ارواح وقوی اور افعال کے نہیں دیا جا سکتا جن کو مغربی طب اپنی کم نظری کی وجہ سے چھوڑ بیٹھی ہے۔ تفصیل آئندہ اپنے مقام پر آئے گی۔

امور طبیعیہ میں کمی بیشی نہ کر سکنے کے دعویٰ کے بعد تیسرا دعویٰ ان کی ترتیب ہے جس کو قائم رکھا گیا ہے تاکہ طالب علم اس کو سمجھ سکے اور منتہی علاج کے دوران میں اس ترتیب سے جسم انسان کو پوری طرح سمجھ سکے۔ دیکھئے انسان جو غذا کھاتا ہے اس سے جسم انسان میں جو خون بنتا ہے وہ عناصر سے مرکب ہے اور عناصر کی ترتیب سے جو ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا نام مزاج ہے پھر اسی مزاج سے غذا میں حرارت کے کم وبیش اثر کرنے کے باعث اخلاط پیدا ہوتے ہیں۔ ان ہی اخلاط سے اعضا اور ارواح پیدا ہوتے ہیں جن کی قوتوں اور افعال سے انسان میں حرکت اور زندگی ہے۔

اوپر تین نہایت اہم حقائق بیان کئے گئے ہیں (۱) نظام طب (۲) امور طبیعیہ (۳) امور طبیعیہ کی تعداد اور ترتیب۔ ان حقائق کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ مغربی طب اس سے بالکل خالی ہے۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں نظام طب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جس کے باعث وہ ایک دوسرے سے باہم مربوط ومنظم ہیں اور یہ نظام بالکل ایک مشین کے پرزوں کی طرح خودکار (AUTOMATIC) معلوم ہوتا ہے جس کا اگر ایک پرزہ بھی نکال دیا جائے تو نظام مشین درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مغربی طب کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اول تو اس میں یہ نظام نہیں دوسرے اس میں بہت سے اہم مسائل کو خارج کر دیا گیا ہے اور تیسرے جو مسائل پائے جاتے ہیں تو ان میں ترتیب نہیں پائی جاتی جس سے نہ صرف تشخیص الامراض، علاج الامراض اور حفظان صحت میں

سخت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ بلکہ تعلیم کے زمانہ میں طالب علم کو اس فن کو سمجھنے میں بھی ہزار دقتیں پیش آتی ہیں۔

مغربی طب میں مندرجہ بالا تمام خرابیوں اور نقائص کے علاوہ ایک اہم خرابی اور نقص یہ ہے کہ جب مغربی طب کی بنیاد رکھی گئی تھی تو اس وقت طبی (MEDICAL) طبیعی (PHYSICAL) اور کیمیاوی مسائل کو اصل مسائل سے مختلف زاویہ نگاہ سے اپنایا گیا جس سے فن علاج (TECHNOLOGY) غلط بنیاد پر قائم ہو گیا ہے اور چند صدیوں کی روز بروز اصلاح کے بعد بھی ان نقائص اور خرابیوں سے پاک نہیں ہوا ثبوت کے لئے گذشتہ دو تین صدیوں کی طبی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے نظریات اور آج کل کی مغربی طب میں تقریباً اتنا ہی فرق ہے جتنا ان نظریات اور یونانی طب کا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آج کل کے نظریات اور یونانی طب کے بہت سے مسائل میں ہم آہنگی اور مناسبت ہوتی جا رہی ہے۔ اگرچہ یورپ نے ان کو کہیں نہیں اپنایا۔ آئندہ صفحات میں اس کی پوری تشریح بیان کی جائے گی۔ تاکہ ہر اہل علم وفن مغربی طب کی بوالعجبیوں سے آگاہ ہو جائے۔

## امور طبیعیہ کی تشریح

اب ہم امور طبیعیہ کے ہر امر کی اس طرح تشریح کریں گے کہ اول یونانی طب کا قانون تحریر کریں گے۔ پھر مغربی طب کا قدیم نظریہ اور ساتھ ہی سائنس کی جدید تحقیقات۔ ان کے بعد ان کی تشریح کریں گے تاکہ ہر صاحب علم وفن بلکہ ایک عامی بھی اندازہ لگا سکے کہ مغربی طب غلط اور غیر علمی ہے۔

---

پرنٹر پبلشر حکیم انقلاب المعالج صابر ملتانی نے نقوش پریس اُردو بازار لاہور سے چھپوا کر دفتر رجسٹریشن فرنٹ عیلے سٹریٹ نمبر ۱ فیض باغ لاہور سے شائع کیا

# ۱۔ ارکانؔ

## ارکان کی تعریف

شیخ الرئیس بو علی سینا لکھتے ہیں۔ "اما الارکان فھی اجسامٌ بسیطۃٌ وھی اجزاءٌ اولیتٌ بعد الانسان وغیرہ التی لایمکن ان تنقسم الی اجسام مختلفتہ الصور والطبائع۔" "ارکان چند ایسے بسیط اجسام ہیں جو بدن انسان وغیرہ کے لئے اجزائے اولیہ ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ وہ مختلف صورتوں اور طبیعتوں کے اجسام میں تقسیم ہوسکیں"۔ یعنی جن کے ابتداً باہم ملنے سے تمام مرکبات عالم اور مخلوقات وجود میں آتے ہیں۔ آگے شیخ الرئیس لکھتے ہیں۔" وھی اربعتہٌ۔ النار حارۃ یابسۃٌ۔ والھواء وھو حار رطبٌ والماء دبارد رطبٌ والارض وھو باردۃ یابسۃٌ" "ارکان چار ہیں (۱) آگ، جو گرم خشک ہے (۲) ہوا جو گرم تر ہے۔ (۳) پانی جو سرد تر ہے (۴) مٹی جو سرد خشک ہے"۔

مغربی طب نے تحقیق و تجربات کے بعد یہ ثابت کیا کہ ارکان چار نہیں ہیں بلکہ عناصر (ELEMENTS) سو سے بھی زائد ہیں۔ یعنی پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے۔ ہوا تقریبًا سات آٹھ گیسوں سے مرکب ہے۔ اسی طرح مٹی نو کے قریب عناصر سے مل کر بنی ہے۔ اور اسی طرح پارہ، سونا، چاندی، سنکھیا وغیرہ سب عناصر اور مفرد ہیں جن کو یونانی طب مرکب تسلیم کرتی آئی ہے۔ مغربی طب قدیم سائنس کا یہ اصول بھی تسلیم کرتی ہے کہ مادہ (MATTER) غیر مبدل ہے۔ اس کی شکلیں بدل جاتی ہیں لیکن مادہ نہیں بدل سکتا۔ ان عناصر کے متعلق تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ سب غیر مبدل ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں بدل سکتی ہیں۔ لیکن ان کی عناصرانہ شکل (ELEMENTAL BACE) نہیں بدل سکتی۔

اب ماڈرن سائنس کی تحقیقات پر غور کریں جو درج ذیل ہے۔

## جدید سائنس کی تحقیقات

اب مادہ کی حیثیت باطل قرار پاگئی ہے جو اسے انیسویں صدی کے محققین نے عطا کی تھی۔ مادہ کا تجزیہ کرکے اسے سالمات (MOLECULES) میں تقسیم کیا گیا۔ پھر یہ سالمات ایٹم میں منقسم ہوئے اور ایٹم کے متعلق تحقیق ہوا کہ یہ برقیات (ELECTRONS) کی مثبت اور منفی قوتوں کے سوا کچھ نہیں۔ لہذا مادہ کی اصل حقیقت غیر مادی (IMMETRICAL) قرار پائی اور مادہ کا بہ حیثیت مادہ یوں خاتمہ ہوگیا بقول پروفیسر مکدوگل (MCDOQHAL)۔ "تیس چالیس سال قبل جب میں نے سائنس کا مطالعہ شروع کیا تو یہ کہنے کے لئے کہ انسان کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے بڑی جرأت درکار تھی۔ لیکن آج حالات کس قدر بدل چکے ہیں۔ آج بڑے بڑے آئمہ طبیعیات ہمیں متنبہ کر رہے ہیں کہ یاد رکھو فزیکل سائنس کے اصول انسانی زندگی کی تعبیر کے لئے یکسر ناکافی ہیں"۔ ..."آج یہ ساری کائنات جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ سخت مادی ذرات سے مرکب ہے، حرکت و توانائی کا گہوارہ بن چکی ہے جس میں ہر شے ہر آن بدلتی رہتی ہے"۔..... "آج مادی ذرات ختم ہوچکے ہیں اور مادہ نے محض توانائی کی صورت اختیار کرلی ہے اور توانائی کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ہے بجز اس کے کہ اس میں مزید تغیرات اور ارتقا کے امکانات ہیں۔ خطبہ صدارت ۱۹۱۲ء جو )میں دیا گیا۔

پروفیسر ملیکن اپنے ایک خطبہ میں جو امریکن کیمیکل سوسائٹی کو ۱۹۱۲ء میں کیا گیا لکھتے ہیں" ہم سب متفق ہیں کہ جہاں تک طبیعیات کی سائنس جا چکی ہے اس کی رو سے دو ہی بنیادی عناصر کا وجود نظر آتا ہے۔ یعنی مثبت اور منفی برقیات (ELECTRONS) تمام کائنات کی تعمیر کا مسالہ دکھائی دیتے ہیں۔ مشہور ماہر ریاضیات سر جیمز جینس لکھتے ہیں "دورِ حاضرہ کی طبیعیات کا رجحان اس طرف ہے کہ تمام مادی کائنات سوائے لہروں (WAVES) کے کچھ نہیں۔ یہ لہریں دو قسم کی ہیں محصور (BOTTLED) جنہیں ہم مادہ

کہتے ہیں اور آزاد جنہیں روشنی (LIGHT) کہا جاتا ہے۔ نتائے مادہ اُس سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا کہ ان محصور لہروں کو آزاد کر دیا جائے کہ وہ فنا کی پنہائیوں میں منتشر ہو جائیں ان تصورات کے تحت یہ تمام کائنات سمٹ سمٹا کر "دنیائے نور" رہ جاتی ہے۔

ہم نے تینوں نظریات اکٹھے بیان کر دیئے ہیں تاکہ ان کی تشریح و تطبیق کو سمجھنے کے لئے ناظرین کو کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ قارئین اندازہ لگا لیں گے کہ مغربی طب کس قدر اغلاط کا مجموعہ ہے اور جدید سائنس بھی تاحال قدیم نظریات بلکہ قوانین طبیعیہ کو پوری طرح سمجھ اور اپنا نہیں سکی۔ ذیل میں ہم قدیم نظریات اور ان کی تشریح پیش کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ سہولت کی خاطر ان کی ان نظریات سے تطبیق بھی دیں گے جن تک جدید سائنس پہنچی ہے یا پہنچنے کے لئے مساعی ہے۔ البتہ یونانی طب کے حقیقت مادہ پر پوری روشنی ڈالیں گے تاکہ جدید سائنس ان معلومات سے مستفید ہو سکے۔

## مادہ کی حقیقت

مادہ کیا ہے؟ کیسے وجود میں آگیا؟ کائنات کے ساتھ اس کا تعلق کیا ہے؟ زندگی کیسے پیدا ہوئی۔ اس کی ارتقائی منزلیں کیا ہیں؟ ہزاروں سالوں سے اہل علم اس پر غور و فکر کرتے آرہے ہیں۔ قدیم فلاسفروں کے تصورات گو اس کے متعلق باہم مختلف ہیں۔ مگر حقیقت کی طرف قدم بڑھانے کی ہر ایک نے کوشش کی ہے۔ مغربی طب نے مادہ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ یونانی فلاسفروں کے ابتدائی دور کی معلومات ہیں البتہ موجودہ سائنسدانوں نے بسیار تحقیق و تدقیق کے قدیم نظریہ کو چھوڑ کر جو جدید صورت اختیار کی ہے۔ وہ بہت حد تک اس کے قریب ہے جو نظریات عربی فلاسفروں نے پیش کئے ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ البتہ یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ یونانی فلاسفروں کے تصورات کو عربی فلاسفروں نے تصدیق کا مقام بخشا اور یونانی طب کی معلومات کو عربی اطبا نے کمال تک پہنچایا۔ فرنگی طب نے تعصب کی بنا پر ان کو چھوڑ کر پھر یونانی طب پر اپنی بنیاد



رکھی۔ لیکن آج چھ سو سال کی جدوجہد کے بعد پھر اسی مقام پر آرہی ہے جس پر عربی فلاسفر و حکما چھوڑ گئے تھے۔ اگرچہ تاحال اس مقام کو بھی حاصل نہیں کر سکی۔

مادہ کس طرح وجود میں آیا۔ اس پر تو بحث آئندہ ہوگی۔ البتہ یہاں یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جب مادہ وجود میں آیا تو مختلف اجسام میں نظر آیا۔ موالید ثلاثہ کا ہر جسم مادہ سے بنا ہوا ہے۔ جب کوئی انسان زندگی اور کائنات پر غور کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس کی ہر شے مادہ کی بنی ہوئی ہے۔

## مادہ کی تعریف

مادہ ایک ایسا جوہر بسیط ہے جس سے کائنات کے موالید ثلاثہ کے اجسام تیار ہوتے ہیں۔ جہاں تک مادہ کے بسیط ہونے کا تعلق ہے جدید و قدیم تمام فلاسفر و حکما اس پر متفق ہیں۔ البتہ تصور و تعداد میں اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے:۔

**دیمقراطیس** (یونان کا ایک مشہور فیلسوف اور سقراط کا ہم عصر) کی رائے ہے کہ عالم اجسام میں مادہ کی حرکت اور قوت اتصال کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ فضا جو ہم دیکھ رہے ہیں اس میں مادہ ہی مادہ منتشر ہے جن کی ابتدائی حالت ٹھوس ذرات کی ہے۔ جن کے صفات و خواص یہ ہیں۔ (۱) یہ ذرات بجز انقسام وہمی کے انقسام خارجی کی صلاحیت نہیں رکھتے (۲) ان ذرات کی حقیقت و ماہیت ایک ہے لیکن شکلیں ایک نہیں ہیں۔ مثلاً لوہے سے چھری یا قلم جو چاہے بنالو مادہ ایک ہے (۳) ان ذرات میں کسی عمل سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی (۴) یہ ذرات فضا میں ہمیشہ حرکت کرتے رہتے ہیں (۵) ان ذرات کے مستحکم اتصال کا نتیجہ جسم ہے۔ دیمقراطیس مادہ کے اندر ایک قوت صانع کو تسلیم کرتا تھا۔ لیکن روحانی اور اصلی اثرات کا قائل نہ تھا۔

**متکلمین** کا نظریہ ہے کہ اجسام کی ترکیب ان اجزائے پریشاں سے ہوتی ہے جو انقسام وہمی و خارجی کسی بھی انقسام کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ اجزا فضائے عالم میں

متحرک و منتشر رہتے ہیں۔ جب صانع عالم کی قدرت کاملہ سے باہم مل کر سکون و استقرار حاصل کر لیتے ہیں تو جسم کی صورت وجود میں آ جاتی ہے۔ ان اجزا کی ماہیت و حقائق مختلف ہیں بعض ناریہ، بعض ہوائیہ، مائیہ اور ارضیہ ہیں اور یہ جوہر فردہ کی ترکیب سے بنتے ہیں۔ ارسطوؔ جو معلم اول کے نام سے مشہور ہے اس کا نظریہ مادہ اولیٰ کے متعلق یہ ہے کہ وہ ایک ایسا جوہر بسیط ہے جو خود تو جسم نہیں لیکن جسم کی صورت قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہے جیسے تخم خود تو درخت نہیں لیکن اس میں درخت کی صورت قبول کرنے کی استعداد ہے۔ آنکھیں اس کو دیکھنے اور حواس محسوس کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کے وجود کا علم ہم کو صرف استدلال و قیاس سے حاصل ہو سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عناصر اربعہ ایک دوسرے سے بدلتے رہتے ہیں۔ یہ بدلنے کی کیفیت سوائے اس کے دوسری نہیں ہو سکتی کہ مادہ ایک صورت چھوڑ کر دوسری صورت کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ مثلاً پانی اگر ہوا ہو جائے تو تجزیہ اس کے کیا ہوگا کہ پانی کی صورت جاتی رہی اور اس کی جگہ ہوا کی صورت آ گئی لیکن وہ چیز جس میں پہلے پانی کی صورت تھی اور اب ہوا کی آ گئی بعینہ باقی ہے۔ وہی چیز جس پر اس قسم کی صورتوں کا توارد ہوتا ہے اس کو مادہ اولیٰ (PREMILTINE MATTER) اور ہیولیٰ کہتے ہیں۔

ہیولیٰ کا وجود کسی دوسرے ہیولیٰ سے نہیں ہوا ہے بلکہ وہ ایک پرتو اور عکس ہے اس روح کل کا جس کو فلاسفہ کی اصطلاح میں عقل فعال کہتے ہیں۔ ہیولیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے نہ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ جسم متصل اور منفصل ہوتا ہے اور ہیولیٰ جسم نہیں ہوتا البتہ جب ہیولیٰ میں جسم کی صورت قائم ہو جاتی ہے تو منفصل اور متصل سب کچھ ہوتا ہے۔

**مادہ اولیٰ** کو سمجھنے کے لئے جسم انسان کو لے کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ مرکب ہے مختلف اعضاء سے اور اعضاء مرکب ہیں گوشت پوست اور استخواں سے۔ یہ سب کچھ اخلاط جسم سے بنتا ہے اور اخلاط جسم کی اصل غذا ہے۔ غذا کی اصل نباتات، نباتات کی اصل عناصر

یہاں تک ایک جسم دوسرے جسم سے بنتا چلا آیا ہے۔ اب عناصر بھی اگر اجسام مرکبہ ہوں اور ان کی ترکیب بھی دیگر اجسام سے ہو تو ہم ان اجسام کا مادہ دریافت کریں گے اور اگر عناصر اجسام مفردہ ہوں تو سوال یہ ہوگا کہ عناصر کس چیز سے بنے ہیں۔ ان کا مادہ کیا ہے لامحالہ آخر میں ایک ایسے مادہ کے وجود کا اقرار کرنا پڑے گا جو جسم نہ ہوگا ورنہ مادہ کا سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا کیونکہ ہر جسم کے لئے مادہ کا وجود لازمی ہے۔ بس اسی آخری مادہ کو مادہ اولیٰ کہتے ہیں اور وہی اس ساری بحث کا موضوع ہے۔

## مادہ اولیٰ کی تقسیم

مادہ اولیٰ جو ابھی جسم کی صورت میں نہیں آیا جب جسم کی صورت اختیار کرنے لگتا ہے تو اپنے اندر تقسیم ہوتا ہوا کئی صورتیں بدلتا ہے اور اس کی یہ صورتیں مادہ اولیٰ ہونے کی حالت میں ہی قائم ہو جاتی ہیں اس کے بعد جب یہ جسم اختیار کرتا ہے تو اس کے اندر تقسیم در تقسیم اور ترتیب در ترتیب سے بے شمار مختلف اقسام کے اجسام بن جاتے ہیں جن کو ہم ان کی قابلیت و استعداد کی مناسبت سے مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً اس اعتبار سے کہ ان سے مرکبات کی ترتیب ہوتی ہے اس کو اسطقسات (PRINCIPLE ELEMENT) اور اس اعتبار سے کہ مرکبات کسی تحلیل کے بعد وہی باقی رہتے ہیں۔ عناصر (ELEMENTS) اور اس اعتبار سے ان میں کون و فساد اور تغیر و تقسیم کی صورت قائم رہتی ہے ارکان (PREMELTINE-ELEMENTS) کہتے ہیں۔ گویا تینوں صورتیں نہ صرف مختلف ہیں بلکہ اس کی تین حالتیں ہیں۔ اول ارکان، دوسرے اسطقسات اور تیسرے عناصر ہے۔

مغربی طب کی یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ عناصر و ارکان کو ایک ہی چیز خیال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مختلف صورتیں اور چیزیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے مغربی سائنس عناصر (ELEMENTS) کو سو کے قریب تسلیم کرتی ہے۔ لیکن شیخ الرئیس نے ارکان کی جو تعریف کی ہے کہ وہ ایسے بسیط اجزا ہیں جن کا مزید تجزیہ نہیں

کیا جا سکتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک مادے کا تجزیہ ہو سکتا ہے وہ شیخ الرئیس کے ارکان کی تعریف میں نہیں آ سکتا۔ گویا ان کی بساط ایسی لطیف ہے کہ ہمارے حواس خمسہ ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ یہ ہوا، پانی اور مٹی جو ہم کو نظر آتے ہیں دراصل شیخ الرئیس کے ارکان نہیں کیونکہ ان کا تجزیہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ اصل ارکان کے طیف ہیں (طیف ایسے مادی مجموعہ کو کہتے ہیں جس میں اصل شے کے علاوہ دوسری چیزیں بھی ملی ہوئی ہوں مگر ظاہر میں وہی شے نظر آئے جس کی اکثریت ہو۔ جیسے ریت کے تودے میں ریت کے علاوہ مٹی، کنکر وغیرہ بھی ملے ہوتے ہیں، لیکن بوجہ کثرت ریت اس کو ریت کا تودہ کہتے ہیں۔ گویا وہ تودہ ریت کا طیف ہے) جو یقیناً مرکب ہیں۔

جہاں تک عناصر کا تعلق ہے ان کو ہم مغربی سائنس کی تحقیقات کے مطابق تقریباً سو ہی تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ دریافت ہو سکتے ہیں۔ ان کو کائنات کے ابتدائی جسم اور مادی نمونے (                    ) کہیں گے۔ ارکان ان سے جدا ہیں۔
عناصر کو بسیط اور بنیادی ان معنوں میں کہا گیا ہے کہ یہ سب اپنے اندر خاص منفرد اور دوسرے سے مختلف شکل رکھتے ہیں۔ یہ ہمیشہ عناصر کہلائیں گے۔ سائنس نے بھی ایٹم کا الیکٹرون اور پروٹرون (PROTRONS اور ELECTRONS) برقی شراروں میں تجزیہ کرنے کے بعد اپنے خاص رنگ میں بسیط اور بنیادی کہا ہے۔ کیونکہ انہی عناصر سے کائنات و زندگی کی تشکیل نظر آتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح یونانی حکمت اپنے اخلاط کو ارکان سے مرکب مانتے ہوئے جسم انسان بلکہ نباتات و جمادات کے لئے ابتدائی جوہر مانتے ہیں۔
ارکان و عناصر کو ایک سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ ارکان کے لئے مغربی سائنس میں کوئی لفظ ہی نہیں ہے ہم نے اس کے لئے (PREMELTINE ELEMENTS) کا نام وضع کیا ہے تاکہ عناصر (ELEMENTS) اور ارکان میں باہم فرق ہو سکے۔
مغربی طب کو یہ غلط فہمی رہی ہے کہ یہی عناصر مادہ اولیٰ ہیں جو سائنسدانوں کے اکتشافات کا حاصل ہے اور انہی کے باہم ملنے سے اجسام بنتے ہیں۔ یورپ میں مشینی طریق زندگی (MECHANICAL WAY OF LIFE) کی ابتدا اسی نظریہ سے ہوئی۔ مغربی طب کا یہ خیال تھا کہ فضا میں ان ذرات کی ہمیشہ لہریں اٹھتی رہتی ہیں اور نظام شمسی جس مادہ سے مرکب ہے وہ پہلے بشکل حبابیہ النجوم یعنی بصورت غبار کوکبی موجود تھا۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو کوئی جدید نظریہ نہیں بلکہ پرانی شراب نئے ساغروں میں چھلک رہی ہے کیونکہ اگر ان ذرات کو قابل تقسیم تسلیم کیا جائے تو دیمقراطیس اور اگر ناقابل تقسیم تسلیم کیا جائے تو متکلمین کے نظریہ کے مطابق ہے۔ اب اگر ان عناصر کو مادہ اولیٰ قرار دیا جائے تو ان میں ابعاد ثلاثہ (طول، عرض اور عمق) نہیں پایا جانا چاہئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عناصر میں ابعاد ثلاثہ پایا جاتا ہے اور ان کا تجزیہ بھی ممکن ہو گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اجسام (METTER) ہیں نہ کہ مادہ اولیٰ یا ارکان۔ عناصر نہ ارکان ہیں اور نہ مادہ اولیٰ۔

## تعداد ارکان

تعداد ارکان کے متعلق حکماء کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ عنصر صرف ایک ہونا چاہئے جس پر عالم موجودات میں تمام متغیر ہونے والے اجسام طبیعیہ کے تغیرات واقع ہو سکیں۔ اسی بنا پر بعض حکماء نے ہوا کو عنصر قرار دیا کہ اس میں مختلف شکلوں کو آسانی سے قبول کرنے کی صلاحیت ہے ان کا خیال تھا کہ ہوا میں حرارت کی زیادتی سے آگ اور زیادتی سے درجہ حرارت کم ہو جائے تو پانی اور جب وہ اور زیادہ بڑھ جائے تو مٹی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ گویا عنصر ایک ہوا ہے اور آگ، مٹی، پانی اس ہوا کے بلحاظ ثقل و لطافت مدارج ہیں۔ اسی طرح بعض حکماء نے پانی کو، بعض نے مٹی کو اور حکیم ہرقلیس نے آگ کو عنصر مانا ہے۔ بعض فلاسفروں کی رائے میں بخارات کو بھی عنصر مانا جا سکتا ہے کہ وہ تھوڑی کثافت سے پانی اور تھوڑی سی لطافت زیادہ ہونے سے ہوا اور آگ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد بجائے ایک عنصر کے پانی اور مٹی دو عناصر کو قرار دیا گیا اور ان کا نظریہ یہ تھا کہ تمام اجسام و مرکبات عالم کو مختلف شکلوں میں موجود ہونے کے لئے ایک تو جسم رطب کی

ضرورت ہے جس پر ہر شکل آسانی سے وارد ہو سکے اور وہ پانی ہے اور دوسرے جسم یابس کی ضرورت ہے جو ان اشکال کو قائم رکھ سکے اور وہ مٹی ہے۔ بعض حکما نے تین عناصر کو تسلیم کیا اول ہوائی۔ دوم سیال اور سوم منجمد۔ ان کا نام انہوں نے اپنی اصطلاح میں 'کبریت'، 'زیبق' اور 'ملح' رکھا۔ بقراط، ارسطو اور دیگر یونانی حکما چار عناصر کے قائل تھے۔ عربی حکما میں شیخ بوعلی سینا، فارابی اور ابن رشد چار عناصر کو تسلیم کرتے تھے۔ یعنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی۔ حکمائے ہندان چار عناصر کے علاوہ آکاش کو بھی ایک عنصر تسلیم کرتے ہیں جس کو اثیر اور ایتھر بھی کہتے ہیں اور یہ سب سے لطیف عنصر ہے۔ حکمائے متقدمین کا ایک طبقہ عالم میں غیر متناہی اور مختلف الحقیقت ذرات و عناصر کے وجود کا قائل تھا اور اس کا خیال تھا کہ انہی ذرات و عناصر کی ایک خاص ترکیب و ترتیب سے تمام اشیائے عالم وجود میں آتی ہے اور انہی کے تجزیہ و تحلیل اور تفریق سے فنا ہو جاتی ہے۔

اس سے قبل کہ ہم حکمائے متقدمین کے خیالات و تصورات و بحث کریں، ان کے تصور ارکان کو بیان کرنا ضروری ہے تاکہ ارکان اور عناصر کا فرق ذہن نشین ہو جائے۔ جن حکما نے آگ، پانی، مٹی اور ہوا کو عناصر تسلیم کیا ہے انہوں نے ان کو بسیط نہیں بلکہ مرکب تسلیم کیا ہے کیونکہ جن عناصر کا ہم حواس خمسہ سے احساس کر سکتے ہیں وہ مرکب اور قابل تقسیم ہیں خواہ ان کا احساس خوردبین یا دیگر کیمیاوی ذرائع سے کیا جائے کیونکہ ہر محسوس شے جسم اور ابعاد ثلاثہ رکھتی ہے اور ایسا جسم جو ابعاد ثلاثہ رکھتا ہے، مرکب ہے۔

جن حکمائے متقدمین نے ایک عنصر کو تسلیم کیا ہے انہوں نے مادہ کو اسی رنگ میں سمجھا اور تمام کائنات و زندگی کو اسی عنصر کی پیدائش تسلیم کیا ہے۔ اس کی تین صورتیں سامنے رکھیں (۱) عنصر کو مادہ اولیٰ تسلیم کرنا اور اس سے زندگی و کائنات کی پیدائش (۲) عنصر کو بجائے عنصر سمجھنا اور اسی کی لطافت کو اس کا مادہ اولیٰ قرار دینا (۳) صرف مادی عنصر تسلیم کرنا مگر اس کی لطافت و مادہ اولیٰ کسی شے کو نہ ماننا۔ جن لوگوں نے دو تین یا چار عناصر



تسلیم کئے ہیں، انہوں نے بھی ان کو تین صورتوں میں مانا ہے۔ لاتعداد عناصر تسلیم کرنے والے حکما نے صرف مادی اور جسمانی عناصر تسلیم کئے ہیں۔ جیسا کہ فرنگی طب نے مانے ہیں، ان کی لطافت کے قائل نہ تھے اور نہ فرنگی طب ہے۔

مغربی سائنس نے کائنات کی ابتدا عناصر سے تسلیم کی ہے جو اتفاقیہ وجود میں آگئے۔ موجودہ سائنس نے ثابت کیا کہ عناصر قابل تقسیم ہیں۔ اب اس امر کو تسلیم کرنا سخت جہالت ہے کہ عناصر ہی دنیا کی ابتدائی اکائی (UNIT) ہیں۔ اب عناصر کو سالمات، ایٹم بلکہ ایٹم بھی الیکٹرون اور پروٹون میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اب یونانی حکما اور عربی حکما اور موجودہ سائنس کے نظریات کو باآسانی منطبق کیا جا سکتا ہے۔ قدیم حکما عناصر کی اصل آگ اور جدید سائنس عناصر کا اختتام برقی ذرات تسلیم کرتی ہے گویا ثابت کیا ہے کہ عناصر کی ابتدا آگ سے ہوتی ہے۔ موجودہ سائنس ان برقی ذرات کو بھی توانائی (ENERGY) اور حرکت کی پیداوار قرار دیتی ہے اور اس کا منبع ایتھر (ETHER) کو تسلیم کیا جا رہا ہے۔ قدیم حکما نے جس چیز کو مادہ اولیٰ قرار دیا ہے وہ یہی آکاش (ایتھر) ہے جس میں ایک فطری اور قدرتی حرکت (تحریکات INPULSES) پائی جاتی ہے۔ اسی اثیر کا تمام کائنات پر غلبہ اور حرکت ہے، اس حرکت کو اگر روح عالم کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ کائنات کی تمام حرکت و عمل برق و رعد وغیرہ اسی اثیر اور اس کی حرکت کے باعث ہے۔ اس اثیر کا خاصہ ہے کہ وہ ہر قسم کے مادی اجسام سے اس طرح گزر جاتی ہے جس طرح روشنی آئینہ سے اور لاشعاع (X-RAYS) پتھر اور لوہے وغیرہ میں سے گزر جاتی ہے۔

حکیم آئن سٹائن کے نظریات نے اس امر کو اور بھی سمٹا دیا ہے کہ لہریں، توانائی اور حرکت مادہ کا اصل ہیں اور اب یہ سمجھا جاتا ہے کہ مادہ درحقیقت مربوط حوادثات ہیں اور بقول رسل "نظریہ اضافیت نے زمان کو زمان و مکان (TIME & SPACE) میں ضم کر کے مادیت کے روایتی تصور کو بہت زیادہ مجروح کیا ہے اب نظریہ اضافیت کے قائلین کے

نزدیک مادہ کا تصور مادی خصوصیات کا حامل نہیں رہا بلکہ مربوط حوادث کا مجموعہ بن چکا ہے جس کی اصل حرکت یا توانائی ہے۔" کائنات جو ہمیں اشیاء کا مجموعہ نظر آتی ہے' ایک ٹھوس شے نہیں جو فضا میں پڑی ہے۔ یہ شے ہے ہی نہیں بلکہ عمل (ACTION) ہے یا حوادث کی عمارت (از خطبات اقبال)

جدید سائنس کی ان تحقیقات کی روشنی میں قدیم حکماء کی حقیقت پرستی اور مغربی طب کی تاریکی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ماڈرن سائنس کا یہ عقیدہ کہ مادہ کی اصل ٹھوس نہیں بلکہ حرکت و توانائی ہے جو زمان و مکان کی حدود سے نکل کر صرف مربوط حوادثات اور منجمد خیالات کا مجموعہ ہے حکمائے قدیم کے اس نظریہ سے کتنا تطابق رکھتا ہے کہ مادہ اولیٰ کی اصل ہیولیٰ اور عقل فعال سے ہے۔ ہیولیٰ سے مادہ اولیٰ کی پیدائش ہے وہ اس سے بہت بلند تر شے ہے جو ابتدائی توانائی (ENERGY) کے قائم مقام ہے۔ اس ہیولیٰ کو عقل فعال کا پرتو یا عکس کہا گیا ہے عقل فعال کو روح کل بھی کہتے ہیں۔ گویا عقل فعال اور روح کل ایسی حرکت ہیں جن میں شعور ہے اسی کو آفاق اور روح عالم بھی کہتے ہیں جس سے نظام کائنات اور زندگی رواں دواں ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مغربی سائنس کے مقابل میں قدیم حکمت درست ہے۔ کیونکہ ماڈرن سائنس کی تحقیقات اور وہ باہم منطبق ہو جاتے ہیں اور اس جدید سائنس کے نظریات کو غلط کہنے کی کسی میں جرأت نہیں۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جدید سائنس کی تحقیقات ابھی اس مقام تک نہیں پہنچیں' جہاں عربی اطبا کی معلومات تھیں۔ عربی اطباء نے اسلام کی تعلیم کے تحت طب یونانی کی اصلاح کی۔ اخلاط کو درست کیا اور اس کی وہمی اور خیالی چیزوں کو علوم باطنیہ کشف و الہام سے تصدیقات کا مقام بخشا۔ ویدانت میں بھی علوم باطنیہ کا ذکر ہے لیکن اس تفصیل کے ساتھ نہیں جس کے ساتھ اسلام میں ہے اور ساتھ ہی جس مقام پر مسلمان صوفی کی رسائی ہے ہندو یوگی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا بخوف طوالت امثال کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔



## اسلامی حکماء کی تحقیقات و آراء

اب ہم اسلامی حکماء کی مادہ' ارکان' عناصر جسم' صورت' زندگی' موالید ثلاثہ اور کائنات کی پیدائش کے متعلق آراء پیش کرتے ہیں تاکہ مغربی دنیا کو پتہ چل جائے کہ حکمائے اسلام نے جو کئی سو سال پہلے پیش کیا تھا وہ بالکل صحیح تھا اور جدید سائنس باایں ہمہ دعوائے تحقیق و تدقیق ابھی تک وہاں نہیں پہنچ سکی' البتہ اس کا کچھ احساس ہوا ہے کہ مابعد الطبیعیات بھی کچھ ضرور ہے جس کے اثرات ہم محسوس کرتے ہیں لیکن ہمارے حواس خمسہ سے بالاتر ہیں۔ الفریڈ کوپن اپنی کتاب (THE CRISIS OF CIVILIZATION) میں لکھتا ہے" اس امر کا خیال تک بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم حقیقت کا قطعی علم حاصل کر چکے ہیں حتیٰ کہ سائنس کے محدود دائرہ میں بھی نہیں جب تک اس تمام محسوس دنیا کا علم نہ ہو جائے"۔

ایڈنگٹن اپنی کتاب ( ) میں لکھتا ہے "قوت۔ توانائی اور ابعاد یہ سب اشارات کی دنیا سے متعلق ہیں۔ یہی وہ تصورات ہیں جن سے ہم نے طبیعیات کی خارجی دنیا تخلیق کی ہے۔ طبیعیات کی دنیا کے اسباب و ذرائع ختم کرنے کے بعد جب ہم اپنے شعور کی دنیا کی انتہائی گہرائیوں میں پہنچتے ہیں وہاں ایک نئے منظر میں داخل ہوتے ہیں اور خود اپنی ذات سے اشارات لے کر ایک نئی دنیا تخلیق کرتے ہیں جس کی بنیاد روحانیات پر ہوتی ہے"۔ آج کل کی جدید سائنس قطعی حقیقت سے ناواقف اور صرف اشارات سے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی قسم کا جواب آج سے ڈھائی ہزار سال قبل افلاطوں نے دیا تھا جب ان سے اس وسیع و عریض کائنات کے اسرار و غوامض اور مستور و مجرد قوتوں کی ماہیت کے متعلق دریافت کیا گیا" میں ایک تخیل کے رنگ میں بتاتا ہوں کہ ہماری عقل کہاں تک روشنی حاصل کر چکی ہے اور کہاں تک تاہنوز اندھیرے میں ہے۔ ذرا تصور میں لایئے کہ نوع انسانی ایک زیر زمین غار میں سکونت پذیر ہے۔ اس غار کا منہ روشنی کی طرف کھلتا ہے اور اندر سب اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ نوع انسانی اس غار

کے منہ پر اس طرح زنجیروں میں جکڑی پڑی ہے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ سکتا۔ ان کے پیچھے آگ کے بڑے بڑے درخشاں شعلے نورافشاں ہیں جس سے غار کے آخری بند حصے پر روشنی پڑتی ہے۔ ان شعلوں اور ان جکڑے ہوئے آدمیوں کے درمیان سے بہت سے لوگ گذر رہے ہیں جن کے پاس نسم قسم کے ظروف، مجسمے وغیرہ ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسری طرف سے گذر رہے ہیں۔ ان کا اور ان تمام چیزوں کا سایہ جو انہوں نے اٹھا رکھی ہیں غار کے اندر سامنے کی دیوار پر پڑتا ہے۔ غار کے منہ پر بیٹھے ہوئے انسان ان تمام اشیا کا سایہ سامنے دیوار پر دیکھ سکتے ہیں۔ پیچھے مڑ کر ان اشیاء کی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے نزدیک حقیقت فقط اس سایہ کا نام ہے جو ان کے سامنے دیوار پر ادھر سے ادھر گذرتا دکھائی دیتا ہے۔ ماڈرن سائنس کی جملہ تحقیقات ایک خاص مقام پر آ کر رک جاتی ہیں یعنی جہاں مادہ اپنا جسم و صورت چھوڑ دیتا ہے جس کے ساتھ غیر مادی تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس غیر مادی تصور کو عقلی یا ذہنی طور پر جہاں تک چاہے تقسیم کر دے ہو سکتا ہے لیکن بہرحال جدید سائنس کی دسترس سے باہر ہے۔ وہ اس کا نام نظر آنے کی صورت میں برقی شرارے (ELECTRON) اور شعاعیں رکھ لیں اور نظر نہ آنے کی صورت میں لاشعاع (XRAY) یا کائناتی شعاعیں رکھ لیتے ہیں۔ پھر ان دیدہ و نادیدہ شعاعوں کے اصل کو توانائی اور توانائی کا تعلق کسی قوت سے اور آخر میں ہر قوت کی پیدائش حرکت کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف اس پر بس نہیں بلکہ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ توانائی میں ایک شعور بھی پایا جاتا ہے جس کے لئے ایک غیر مادی طاقت کا تسلیم کرنا ضروری ہے اور اس کو روح (SOUL) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ توانائی، قوت اور حرکت کہاں سے پیدا ہوئے اور پھر اس میں شعور اور روحانی قوت کہاں سے آ گئی۔ یہاں پہنچ کر جدید سائنس لاچار ہو جاتی ہے یونانی حکماء کا بھی یہی حال ہے جیسا کہ ابھی افلاطون کے جواب سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے ذہنوں پر اصل علوم کے صرف سائے ہی پڑتے ہیں۔ برعکس



ان دونوں گروہوں کے حکمائے اسلام نے اس مادہ کا تعلق غیر مادی طاقتوں سے جوڑ کر ان غیر مادی طاقتوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جو خالق کل ارض و سما اور مادہ و غیر مادہ ہے اس پیدائش کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حکمائے اسلام نے حکمت نظری کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) طبعی (۲) ریاضی (۳) الٰہی۔

## حکمتِ طبعی

حکمت نظری کی طبعی قسم میں اجسام اور ان کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے اور خصوصًا اس لحاظ سے کہ ان میں استحالہ اور تغیر پذیر ہونے کی استعداد ہے۔ یعنی آگ سے ہوا، ہوا سے پانی اور اس کے برعکس اور اسی طرح زمین سے ابخرات کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ فضا میں جا کر پانی کے قطرات بنتے ہیں۔ بجلی گرج کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ ان امور کے علاوہ حکمت طبعی میں نفس ناطقہ کے حالات سے بھی بحث کی جاتی ہے کیونکہ اس کا بھی بدن انسان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ حکمت طبعی کو ماڈرن سائنس میں فزکس (PHYSICS) کہتے ہیں۔

## حکمتِ ریاضی

حکمت نظری کی قسم ریاضی میں مقادیر و اوزان اور اشکال سے بحث کی جاتی ہے۔ مثلاً اعداد کہ عدد ایک مقدار ہے یا لمبائی چوڑائی اور بلندی کا اندازہ۔ اسی طرح اوزان کا اندازہ اور کمی بیشی کے تغیرات، شکل مثلث، تکبیر دائرہ و مربع وغیرہ اس کا موضوع ہے۔

## حکمتِ الٰہی

حکمت نظری کی قسم الٰہی میں مجردات سے بحث کی جاتی ہے جیسے واجب باری تعالیٰ اور ان چیزوں سے بحث کی جاتی ہے جو مجردات و جسمیات دونوں میں مشترک ہیں۔ مثلاً موجود و معدوم، وحدت و کثرت، علت و معلول کہ مجردات میں بھی یہ پائے جاتے ہیں اور جسمیات میں۔ مجردات بھی موجود ہیں اور جسمیات بھی۔ حکمت نظری کی اس قسم کو علم اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔

## جسم کی تعریف

طبیعیات میں جس جسم سے بحث کی جاتی ہے وہ ایک ایسا جوہر

ہے جس میں ابعادِ ثلاثہ اس طور پر فرض کئے جائیں کہ وہ ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر قطع کریں۔ اس طرح بارہ قائمہ زاویے پیدا ہوں گے۔ چار فوقانی اور آٹھ تحتانی۔

چونکہ طبیعیات کا موضوع جسم ہیں۔ البتہ اس کے اجزا ہیں مادہ، صورت اور عرض لازم ہیں۔ اور اگر جسم کی اس تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مادہ کی ہستی کے لئے ایک جوہر کا ہونا بھی ضروری ہے جس نے مادہ اولیٰ سے جوہر کی صورت اختیار کی ہے اور جو اب ایک خاص عرض و صورت کے ساتھ مادی جسم اختیار کر گیا ہے۔

## صورت جسمیہ کی تعریف

صورت جسمیہ کا اطلاق عموماً شکل پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے دونوں کو ساتھ ساتھ بولتے ہیں، مثلاً ڈبہ کی شکل و صورت یہ ہے لیکن فلاسفہ کی اصطلاح میں صورت کا اطلاق اس شے پر ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے کسی شئے کو اعتبار سے امتیاز حاصل ہو۔ اس بنا پر جسم کی صورت وہ چیز ہوگی جو اس کو جواہر مجردہ (ارواح و عقل) سے ممتاز کرے اور وہ سوائے امتداد (طول، عرض، عمق) کے کوئی شے نہیں ہے۔ اس لئے فلاسفہ اسی امتداد کو جسم کی صورت یعنی صورت جسمیہ کہتے ہیں۔

**حکمائے مشائیہ** دو امتداد کے قائل ہیں۔ ایک وہ جو از قبیل جوہر ہے جس کو صورت جسمیہ کہتے ہیں اور دوسرا وہ جو از قبیل عرض ہے جس کو مقدار کہتے ہیں۔ محسوس صرف مقدار ہے اور صورت جسمیہ غیر محسوس ہے اس کا علم صرف استدلال و قیاس سے ہوتا ہے۔ دراصل دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں گروہ امتداد کو صورت جسمیہ کہتے ہیں البتہ حکمائے مشائیہ جوہر کے ساتھ عرض کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صورت جسمیہ میں امتداد کے ساتھ جوہر و مادہ اور عرض تینوں شریک ہیں۔

## اتصال جسم

اجسام جو صورت اختیار کرتے ہیں حقیقت میں وہ چھوٹے چھوٹے ذرات سے مرکب ہوتے ہیں جیسے پانی کے قطرات اور موم کے ذرات

یا جدید سائنس میں برقی ذرات کا اتصال، ان کا اتصال اس قدر مسلسل ہوتا ہے کہ وہ ایک جسم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور یہ اجسام حقیقت میں اپنے اپنے جوہر کے طیف ہوتے ہیں

## ارکان کی حقیقت

جوہر اور جسم کے درمیان جو تغیرات ہوتے ہیں جس سے مختلف صور نوعیہ عمل میں آتی ہیں۔ یعنی جوہر میں جب تغیرات عمل میں آتے ہیں جس سے وہ جسم کی صورت اور انواع اختیار کرتا ہے۔ اس دوران میں جوہر ارکان کی صورت اختیار کرتے ہوئے جسم، صورت اور نوع بنتا ہے جس کو ہم عناصر کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ارکان کی حسی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ البتہ وہمی اور عقلی تقسیم ہو سکتی ہے البتہ عناصر کی حسی تقسیم ممکن ہے گویا ارکان (آگ، پانی، ہوا، مٹی) جسم کی صورت نوعیہ ہیں جو جسم سے الگ نہیں کی جا سکتیں۔ البتہ وہ تحلیل ہو کر جوہر، مادہ اولیٰ، توانائی و قوت اور حرکت و شعور تک پہنچ جاتا ہے۔

## صور نوعیہ

صورتِ جسمیہ نے جسم کو جن چیزوں سے ممتاز کیا ہے وہ جسم نہیں ہیں۔ اسی طرح صور نوعیہ کے سبب سے جسم کے انواع میں امتیاز ہوتا ہے اور امتیاز بھی اس درجہ کا کہ کبھی ایک نوع پر دوسری نوع کا شبہ تک نہیں ہوتا۔ ایک طرف تو یہ عالم اختلاف ہے اور دوسری طرف عالم اتحاد و اشتراک بھی ہے۔ حیرت کا مقام ہے تمام انواع ایک دوسرے سے صور نوعیہ کے اعتبار سے متحد ہیں۔ اسی سبب سے صورت جسمیہ کو تمام انواع کی علت قرار نہیں دے سکتے۔ ورنہ تمام اجسام صور و اشکال اور آثار و خواص کے اعتبار سے متحد ہو جائیں گے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس اختلاف کی علت مادہ ہے۔ کیونکہ اول تو مادہ قابل محض اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اجسام کے صفات و خواص اور صور و اشکال کو قبول کرے نہ کہ ان کے لئے فاعل و علت بنے۔ دوسرے یہ کہ تمام اجسام عنصریہ کا مادہ ایک ہے وہ انواع کا اختلاف کیونکر ہو سکتا ہے اس لئے جسم کی ہر نوع کے لئے ایک خاص صورت نوعیہ ہے جو اس کے تمام آثار و

خواص کی علت وسبب ہوتی ہے۔شیشے کی سختی، سونے کی لچک، پانی کا سیلان۔ آگ کی حرارت۔ مٹی کی پیوست وغیرہ یہ سب اس کی صورت نوعیہ کے خواص ہیں گویا نوئی تباین اور آثار وخواص کے اختلاف کا سبب اجسام کی صور نوعیہ ہیں۔

اجسام بسیط (آگ۔ پانی۔ مٹی۔ ہوا) کی طبیعت ہی صورت نوعیہ ہوتی ہے اور مرکبات (موالید ثلاثہ) کی طبیعت صورت نوعیہ کا ایک جزء ہوتی ہے مثلاً انسان مادہ کے علاوہ نفس نباتیہ نفس حیوانیہ اور نفس ناطقہ اور طبیعت کا مرکب ہے۔ گویا صورت نوعیہ اشیائے مذکورہ کے مجموعہ کا نام ہے اور طبیعت اس کا ایک جزو ہے۔ جس طرح صورت جسمیہ اور مادہ میں تلازم ہے اسی طرح مادہ اور صورت نوعیہ میں بھی تلازم ہے اور صورت جسمیہ و نوعیہ ہر دو جوہر ہیں۔ کیونکہ جس حال سے محل بے نیاز نہیں ہوتا وہ حال بھی جوہر ہوتا ہے۔

## جوہر وعرض

جوہر اس شے کو کہتے ہیں جس کا وجود کسی موضوع میں قائم نہ ہو جیسے انسان۔ عرض اس شے کو کہتے ہیں جو اس کے برعکس ہو مثلاً سرخی وسیاہی وغیرہ۔ جوہر کے بعض افراد بھی اپنے وجود میں محل کے محتاج ہوتے ہیں۔ مثلاً صورت جسمیہ و نوعیہ۔ لیکن پھر بھی وہ جوہر ہوتے ہیں اور اصل راز اس میں یہ ہے کہ عرض کا قیام محل کی حقیقت کو نہیں بدلتا۔ مثلاً سیاہی ایک عرض ہے۔ اگر کسی کپڑے پہ قائم ہو تو اس کپڑے کی حقیقت نہیں بدلتی۔ اس لئے سپید کپڑا ہو یا سرخ وسیاہ ہو جائے تو اسے کپڑا ہی کہیں گے۔ مگر صورت کا قیام حقیقت بدل دیتا ہے۔ مثلاً مادہ پہلے مادہ تھا لیکن صورت جسمیہ کے قیام سے جسم بن گیا اور اس کو مادہ کہنا درست نہ ہوگا۔ جس طرح نطفہ میں صورت انسانی آنے سے اس کو نطفہ کہنا غلط ہے۔

لہذا عرض وصورت میں فرق کے لئے حکماء نے یہ اصطلاح قرار دی ہے کہ عرض کے محل کو موضوع اور صورت کے محل کو مادہ کہتے ہیں۔ اس بنا پر عرض کی تعریف یہ ہوگی کہ عرض اس شے کو کہتے ہیں جس کا وجود موضوع میں قائم نہ ہو اور جوہر کی تعریف اس کے برعکس ہے

## جوہر کے اقسام

جوہر کے پانچ اقسام ہیں (۱) ہیولیٰ (۲) صورت (۳) جسم (۴) نفس (۵) عقل ومفارق۔ جوہر محل ہو تو ہیولیٰ۔ حال ہو تو صورت جسمیہ و نوعیہ۔ اگر نہ حال ہو نہ محل بلکہ دونوں سے مرکب ہو تو جسم اور اگر حال ومحل سے مرکب نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق جسم کے ساتھ ہے تو نفس ورنہ عقل مفارق۔

## عرض کے اقسام

عرض کی نو اقسام ہیں (۱) کم (۲) کیف (۳) این (۴) زمان (۵) نسبت (۶) ملک (۷) وضع (۸) فعل (۹) انفعال۔ طوالت کی وجہ سے تشریح نظر انداز کی جاتی ہے۔

## جوہر اور جسم

جوہر جب ہیولیٰ وصورت کے ساتھ نفس اور عقل رکھتے ہوئے جسم اختیار کرتا ہے تو اس میں ہم صرف جسم کو حواس خمسہ سے احساس کر سکتے ہیں۔ باقی چیزوں کو ہم حواس باطنیہ سے ادراک کرتے ہیں البتہ صورت کا ہم فرق ضرور کرتے ہیں لیکن ہر صورت جسم اور نفس کے ساتھ اس طرح مربوط ہے کہ اس کو جسم سے جدا نہیں کیا جا سکتا جس طرح اس عالم میں ایک چیز دوسری چیز سے بنتی ہے اور ایک چیز دوسری چیز کا سبب ہوتی ہے حالانکہ فاعل حقیقی اور بخشندۂ وجود جناب باری تعالیٰ ہیں۔ اسی طرح عقل فعال جو عالم عقول میں ایک جوہر ہے روح اور مادہ وغیرہ کے لئے سبب ہے۔

## عالم عقول

عقل کو سمجھنے کے لئے شعور کا لفظ بہت اچھا ہے۔ ہم اس کی مزید تشریح آئندہ ارواح کے بیان میں کریں گے۔ یہاں پر صرف عقول اور اجسام کے باہمی تعلق اور مادہ وجسم کے عالم عقول سے علت وسبب کے ساتھ عالم وجود میں آنے کا ذکر کریں گے۔ یہ تحقیقات صرف اسلامی حکما کی ہے۔ جنہوں نے الہام وکشف اور باطنی قوت سے اس کا پتہ چلایا۔ دوسرے لوگ ان کو کماحقہ نہیں سمجھ سکتے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح یہ ہماری دنیا ایک خاص نظام پر چل رہی ہے اسی

طرح ایک عالم عقول اور ملائکہ بھی ہے اور اس عالم میں بھی ہماری اس دنیا کی طرح علت و معلول کا سلسلہ جاری ہے۔ مشائیہ کہتے ہیں کہ خداوند کریم نے سب سے پہلے ایک جوہر مجرد پیدا کیا جس کو عقل اول کہتے ہیں اور پھر اسی عقل اول کے واسطہ سے عقل ثانی اور فلک اہم (مکان و زمان عالم عقول) کا وجود جناب باری تعالیٰ کے فیض و بخشش سے ہوا۔ اسی طرح عقول عاشرہ اور فلک اول کا سلسلہ بہ پایہ وجود ہوا۔ بواسطہ عقول عاشرہ جناب باری تعالیٰ کے جود و کرم سے عالم عناصر ظہور پذیر ہوا۔ عقل عاشرہ کو اس عالم کے وجود کی علت ہونے کے سبب عقل فعال کہتے ہیں۔ حکمائے اشراقیہ اور حکمائے اسلام کے نزدیک عالم افلاک و عناصر کی ہر نوع کے لئے عالم عقل میں عقول مدبرہ ہیں جن کے ذریعہ جناب باری تعالیٰ اپنے فیض و بخشش سے اس عالم کو سیراب کرتا ہے اور انہی عقول کو اصطلاح شرع میں ملائکہ کہتے ہیں۔

حکمائے اسلام کی یہ تحقیقات اس حقیقت کے تحت ہیں کہ جو کچھ آفاق میں ہے وہ سب کچھ نفس انسانی میں پایا جاتا ہے۔ لیکن آفاق ایک غیر مادی شے ہے اس کا ادراک حواس باطنی ہی سے ہو سکتا ہے۔ نفس انسانی ایک غیر مادی شے ہے جو غیر مادی اشیاء کا ادراک کر سکتا ہے اور یہ ادراک الہام و کشف کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال بالکل خواب کی سی ہے جو تقریباً جاگنے کی حالت میں پیدا ہوتی ہے۔ طوالت کے پیش نظر اس بحث کو یہاں ختم کیا جاتا ہے۔ البتہ قرآن حکیم کا یہ نقطہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کا کام سنوارنے کے بعد زمین کو سجایا اور پھر اس کو آسمان کی طرف لوٹایا۔ اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ آفاق وسط اول سے۔ آسمان، آسمان سے زمین۔ زمین سے موالید ثلاثہ۔ پھر احساس و ادراک اور نفس بنائے گئے اور نفس وہ مقام ہے جو اپنے اندر طبیعیات سے لے کر مابعد الطبیعیات تک کا ادراک کر سکتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں تک یورپ نہیں پہنچ سکا اور نہ بغیر اسلام کے شاید پہنچ سکے۔





## خلاصہ بحث

ارکان ایسے اجزائے بسیط ہیں جن کا مزید تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ عناصر قابل تجزیہ ہیں اور سالمات و ایٹم میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایٹم برقی شراروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ برقی شراروں کی پیدائش ایتھر کی لہروں سے ہوتی ہے۔ لہریں حرکت سے اور حرکت شعور سے پیدا ہوتی ہے۔ شعور آفاق کی پیداوار ہے اور آفاق کو عقل سے بنایا گیا ہے۔ عقل کل۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

# ۲۔ مزاج

## مزاج کی تعریف

شیخ الرئیس لکھتے ہیں:۔ "واما الامزجہ فنقول ان الارکان اذا انصغرت اجزاؤھا دتماسنت فعل بعضھا فی بعض بقواھا المتضادۃ وکسر کل واحد من سورۃ کیفیۃ متشابھۃ فی اجزائہ فھی المزاج"۔ (مزاج ہم اس کو کہتے ہیں کہ جب ارکان کے اجزا بہت ہی چھوٹے چھوٹے ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں تو یہ اجزا اپنی متضاد قوتوں سے ایک دوسرے میں اثر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک عنصر دوسرے عنصر کی کیفیت کے غلبہ کو توڑ دیتا ہے۔ آخر کار جب ان کا فعل وانفعال (کسر و انکسار اور اثر و متاثر) ایک حد تک پہنچ جاتا ہے تو اس مرکب میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اس مرکب کے تمام اجزا میں یکساں ہوتی ہے۔ اسی کو مزاج کہتے ہیں)

## فرنگی طب کی غلط فہمی

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس جہاں چار ارکان سے انکار کرتے ہیں جن کی حقیقت پر ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں وہاں پر وہ چار کیفیات سے بھی انکار کرتی ہے۔ لیکن وہ جسم انسان میں گرمی و سردی اور تری و خشکی کے اظہار اثرات سے انکار نہیں کر سکتی۔ مثلاً آگ کی گرمی برف کی سردی اور مٹی کی خشکی اور گھی کی تری سے انکار نہیں کر سکتی۔ اسی طرح موسموں میں گرمی، سردی اور خشکی تری کا پایا جانا۔ اسی طرح انسان میں بھی خون کی گرمی۔ رطوبت کی سردی ہڈی کی خشکی اور چربی کی تری سے انکار نہیں کر سکتی۔ چونکہ اس نے چار ارکان سے انکار کر دیا ہے اس لئے وہ کیفیات اور مزاج سے دور ہو گئی ہے۔

## یورپی طب کے مزاج نہ ماننے پر اعتراضات

اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ کیفیات (گرمی، سردی، تری اور خشکی) دنیا میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں تاہم کائنات اور زندگی کا ایک مزاج تو پھر بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یعنی یہ تمام عناصر اپنے قویٰ وافعال اور جسم و نوع کی وجہ سے آپس میں اختلاف رکھتے ہیں جب اس امر سے کوئی سائنسدان انکار نہیں کر سکتا کہ یہ تمام عناصر اختلاف افعال کیمیاویہ اور مختلف الجسم والنوع بلکہ اختلافِ تناسب بھی رکھتے ہیں تو یقینی امر ہے کہ جب وہ کسی جگہ زمین کے اندر ہوا میں یا پانی کے اندر اور خاص طور پر کسی نباتی اور حیوانی یا انسانی زندگی میں ملیں تو ایک مزاج پیدا کریں۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ آپس میں ملیں اور ان میں فعل وانفعال، تاثیر و تاثر اور کسر وانکسار پیدا نہ ہو۔ جب یہ شے لازمی ہے تو پھر مزاج کا پیدا ہونا بھی ضروری ہے۔

## سائنس و تغیرات کیمیاویہ

کیا کوئی سائنسدان اس امر سے انکار کر سکتا ہے کہ جب متضاد قویٰ وافعال اور مختلف الجسم و تناسب اشیا آپس میں ملتی ہیں تو کوئی کیمیاوی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ صاف اور خالص پانی اپنی ایک خاص شکل، ذائقہ اور رنگ رکھتا ہے جیسے کہ یہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کا ہی مرکب ہے مگر اس کا ایک خاص تناسب ہے جو ہمیشہ قائم رہتا ہے اور جب تناسب قائم نہ رہے تو کبھی بھی پانی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ جب اس میں کوئی دوسرا عنصر یا گیس شامل ہو جاتی ہے تو اس کی شکل، ذائقہ اور رنگ میں فرق آ جاتا ہے۔ یہی حال ہوا کا ہے۔ انسانی جسم میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ جسم انسان اور خصوصاً اس کے خون میں سائنس کے مطابق چار ارکان و کیفیات کی بجائے چودہ یا کچھ زیادہ عناصر بھی تسلیم کر لئے جائیں۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان عناصر کے امزجہ اور اخلاط سے ایک درمیانی قوام پیدا ہوتا ہے وہی صحیح قوام انسانی زندگی کے لئے نہایت اہم ہے اس کو ہم خون کہتے ہیں۔ اگر اس قوام میں مشمولہ عناصر میں کوئی کمی بیشی ہو جائے یا کوئی عنصر خراب ہو جائے یا اس قوام میں کوئی زہر یلا مواد

شامل ہو جائے تو خون خراب ہو جائے گا اور انسانی زندگی کے لئے یقیناً مضر ہو گا۔ اگر غور کیا جائے تو چودہ عناصر والا خون چار اخلاط کے ساتھ تطبیق پا سکتا ہے۔

طب یونانی نے کیفیات اور مزاج سے فن میں سہولت پیدا کر لی ہے جو چودہ عناصر اور ان کے خواص سے ممکن نہیں ہے۔ اس لئے مغربی طب اس میدان میں طب یونانی کے مقابلہ میں ناکام ہے۔ ایک یونانی طبیب کا معالج جب کسی مریض کے جسم یا نبض کو دیکھتا ہے تو اول وہ کیفیات اور مزاج ہی دیکھتا ہے۔ جب وہ کسی کیفیت کی زیادتی دیکھتا ہے تو پھر اس کے اثرات مریض کے "قارورہ" پاخانہ اور باقی جسم میں تلاش کرتا ہے۔ اس تطبیق کے بعد مریض کے مزاج کی رعایت سے اس کیفیت کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر اطبا کا سالہا سال کا تجربہ ہے کہ مریض کے مزاج اور کیفیات کو اعتدال پر لانے سے نہ صرف مرض رفع ہو جاتا ہے بلکہ ہر قسم کا زہر بھی فنا ہو جاتا ہے۔ یہ یقین و تجربہ اور مشاہدہ ان کو تمام زندگی اس پر قائم رکھتا ہے۔

## یقین، تجربہ اور مشاہدہ

یہ حقیقت ہے کہ ہر علم کی ابتدا صرف ایک ایسے یقین پر ہوتی ہے جس کو فرض کیا جاتا ہے اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور پھر یہی علم تجربات و مشاہدات کے بعد صحیح اترنے پر عین الیقین اور پھر حق الیقین بن جاتا ہے۔ کیفیات اور مزاج کا علم حاصل کرنے کے بعد جب طبیب مریض کے جسم میں کسی کیفیت یا مزاج کی کمی بیشی دیکھتا ہے تو وہ اپنے تجربات کے تحت اس کیفیت کو مریض کے قارورہ، پاخانہ اور پسینہ میں دیکھتا ہے اور پھر اس یقین اور تجربہ و مشاہدہ کے بعد اس مزاج اور کیفیات کی بالضد ادویات استعمال کرتا یا تدابیر عمل میں لاتا ہے تو مریض کو آرام و صحت ہونا شروع ہو جاتی ہے تو اس کے دل و دماغ میں یقین محکم پیدا ہو جاتا ہے کہ مزاج و کیفیات کے تحت تشخیص و علاج بالکل صحیح طریق علاج ہے۔ اس کے مقابلہ میں اول تو چودہ عناصر کو بغیر مزاج اور کیفیات کے صرف ان



کے قویٰ اور خواص کے اثرات تلاش کر کے پورا کرنا مشکل ہے۔ اور پھر ان کے ساتھ خون میں جراثیم کی تلاش امر زائد ہے۔ جب کسی مرض کا کوئی جرثومہ مل جائے تو پھر چودہ عناصر بھی نظر انداز ہو جاتے ہیں اور اس خاص قسم کے جرثومہ کے لئے قاتل جراثیم ادویہ استعمال کی جاتی ہیں اور چودہ عناصر کی کمی بیشی اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ پھر اس امر پر بھی غور نہیں کیا جاتا کہ ممکن ہے اس جرثومہ اور زہر کا سبب ہی ان چودہ عناصر کی کمی بیشی اور خرابی ہو۔ مریض کو آرام آئے نہ آئے بس کسی خاص قسم کے جرثومہ کے نظر آنے پر صرف اسی کو فنا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ خواہ سبب کے قائم رہنے پر وہ جرثومہ اپنی نسل کے ساتھ دوبارہ وہاں پیدا ہو جائے۔

## چودہ عناصر اور جراثیم

یورپی طب نے اس امر کا کہیں فیصلہ نہیں کیا کہ تشخیص کے دوران میں جب مرض معلوم کیا جاتا ہے تو خون کے چودہ عناصر کا تجزیہ کر کے ان کو درست یا پورا کیا جائے یا جراثیم کو تلاش کیا جائے یا جن امراض کے جراثیم کا علم ہو چکا ہے ان میں جراثیم اور باقی امراض میں چودہ عناصر کی کیمیاوی کمی بیشی اور خرابی کو سامنے رکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر سالم، طاقتور اور مقدار میں پورا خون اپنے اندر ایک خاص قوت مدافعت (IMMUNITY) یا قوت مدبرہ بدن (VITAL FORCE) رکھتا ہے تو ایسی حالت میں جب بھی کوئی جرثومہ جسم یا خون میں داخل ہو گا فوراً فنا ہو جائے گا جیسا کہ سائنس کا یقین ہے۔ اگر جرثومہ تلاش بھی کر لیا جائے تو جرم کش دوا کے استعمال کی ضرورت نہیں بلکہ جسم کی قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور یہ چودہ عناصر کے پورا اور درست کرنے پر موقوف ہے جیسا کہ طب یونانی چار مزاج اور چار کیفیات پر یقین رکھتی ہے اور [illegible] ہ مشاہدہ اس کو عین الیقین اور حق الیقین بنا دیا ہے۔ آج بھی ہر اس مریض کے مزاج میں جس کے مزاج میں کیفیات کی کمی بیشی اور خرابی واقع ہو گئی ہو، اعتدال پیدا کرنے

سے مرض رفع ہو جائے گا۔ اس مقصد کے لئے جو تیز و ہلکی ادویہ استعمال کی جاتی ہیں وہ مزاج و کیفیات کی خرابی کے مختلف مدارج کے مطابق ہوتی ہیں۔ طب یونانی کی بالخاصہ ادویہ تیسرے درجہ پر آتی ہیں۔ اول کیفیات اور دوم مزاج کو مدنظر رکھا جاتا ہے بالخاصہ ادویہ کا علم نہ بھی ہو تو صرف کیفیات کی درستی اور مزاج کے اعتدال سے بھی مرض رفع ہو جاتا ہے۔ بالخاصہ ادویات سے صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ بار بار کے تجربات سے خاص خاص امراض و علامات میں مفید ثابت ہوتی ہیں جن میں ان امراض کے مزاج و کیفیات بھی شریک ہیں لیکن بغیر مزاج اور کیفیات کے صرف مرض اور دوا کا تعلق بے معنی شے ہے۔ اس امر سے ثابت ہوا کہ قوتِ مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کا کیفیات اور مزاج کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ بالفاظ دیگر خون کی مقدار صفائی اور قوت ہی صحت کی ضامن ہے۔

## قوتِ مدافعت اور قوتِ مدبرہ بدن

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت مدافعت اور قوت مدبرہ بدن کیا شے ہیں۔ ان کے کیا کام ہیں اور ان کے درمیان کیا فرق ہے۔ یورپی طب قوت مدافعت کے متعلق یہ بیان کرتی ہے کہ وہ ایک ایسی قوت ہے جو عضو در خون میں ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت اس میں پیدا ہونے والے زہر یا زہریلے جراثیم کا مقابلہ کرتی ہے اور قوت مدبرہ بدن وہ قوت ہے جو خون و جسم انسان میں پائی جاتی ہے اور ضرورت کے وقت اس پر نازل ہونے والے حوادث و تکالیف کا مقابلہ کرتی ہے۔ لیکن وہ کیا ہیں؟ کہاں پیدا ہوتی ہیں؟ اور ان میں کیا فرق ہے؟ کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی حقیقت یہ ہے کہ قوتِ مدافعت اس قوت کا نام ہے جب خون کا مزاج اور عناصر اعتدال پر ہو اور اس کی مقدار، صفائی اور قوت کیمیاوی طور پر اپنے پورے انداز سے پر پائی جاتی ہے اور اسی طرح قوت مدبرہ بدن ایسی قوت ہے جو جسم کے خون میں پائی جاتی ہے جس سے ان کے افعال اپنی درست حالت میں قائم ہوتے ہیں۔ یہ اسی وقت



ہو سکتا ہے جب ان کا مزاج و کیفیات بالکل صحیح حالت میں پائی جائیں بس اسی شے کا نام مزاج ہے جو انسانی صحت کو درست اور قائم رکھتا ہے۔

جب تک دونوں قوتیں اعتدال پر نہ ہوں مرض کی مدافعت اور اصلاح نہیں ہو سکتی اور ان کا اعتدال ناممکن ہے جب تک جسم کے عناصر کیفیات اور خون کی مقدار اپنی مکمل حالت میں نہ ہو۔ اگر ہم ارکان کا مزاج نہ بھی تسلیم کریں تو عناصر کا اعتدال لامحالہ ماننا پڑے گا اور یہی عناصر کا اعتدال ان کا مزاج قرار پائے گا۔ اسی طرح خون بھی اپنے مرکب کے ساتھ اپنے اندر ایک خاص مقدار حرارت کی رکھتا ہے خواہ وہ ازلی ہو (حرارت غریزی) یا مریخ ذرات کی گردش یا عناصر کے امتزاج سے پیدا ہو جس کا ثبوت تھرمامیٹر دیتا ہے۔ جب کسی وجہ سے حرارت میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو لامحالہ خون میں سردی کا اثر داخل ہو گا۔ اس طرح خون میں گرمی سردی کا پایا جانا ثابت ہو گیا۔ اسی طرح اگر خون کی مقدار پر غور کیا جائے تو بعض امراض (ہیضہ) یا موسم کے اثرات سے اس میں کبھی رطوبات کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی کو طب یونانی میں خشکی اور جب رطوبات کی مقدار کسی سبب سے زیادہ ہو جائے تو اس کو تری کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی ہے خون کا مزاج اور اس کی کیفیات کی حقیقت۔ کیا کسی کو اس سے انکار ہے۔ طب یونانی نے ان پر اپنے فن کی بنیاد رکھ کر عقل و فطرت سے کام لیا ہے اور مغربی طب نے ان کو نظر انداز کر کے غیر علمی راستہ اختیار کیا ہے۔

## عناصر کا فعل و انفعال

فلاسفہ نے ثابت کیا ہے کہ ہر جسم عنصری میں حرارت و برودت کیفیاتِ فعلی اور رطوبت و یبوست کیفیاتِ انفعالی ہیں۔ ان چار کیفیتوں میں ایک کیفیت فعلی اور ایک انفعالی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ تمام اجسام عنصریہ کی ترکیب ارکان اربعہ سے ہوتی ہے اور چونکہ آگ (حار یابس) ہوا (رطب حار) پانی بارد و رطب اور مٹی (بارد و یابس) ہے اس لئے وہ اجسام جن

کی ان عناصر سے ترکیب ہوتی ہے۔ ان میں ان چار کیفیات کو موجود ہونا چاہئے مگر نہیں! مزاج حاصل ہونے کے بعد صرف ایک کیفیت فعلی اور ایک انفعالی رہ جاتی ہے مزاج چونکہ اس کیفیت متوسطہ کو کہتے ہیں جو عناصر کے کسر و انکسار سے حاصل ہوتی ہے۔ کاسر و منکسر کے تعین میں فلاسفہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک فاعل کاسر کیفیت اور بعض کے نزدیک صورت ہے اور منفعل مادہ وغیرہ۔ طب یونانی میں اس بحث کا پایا جانا ثابت کرتا ہے کہ اس فن میں کس قدر لطیف و دقیق تحقیقات کا جزو تھا وہ کسی مشاہدہ کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ مگر یورپی طب نے جہاں کیفیات و مزاج کو اپنی غلط روش سے تسلیم نہیں کیا وہاں ان قوئی پر بھی بحث و تحقیق رہ گئی ہے ورنہ اس تحقیقات میں موجودہ کیمسٹری میں اشیاء کے مشینی اور کیمیاوی اثرات کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا اور پتہ چلتا کہ جسم انسانی پر مشینی اور کیمیاوی اثرات کرنے والی ادویہ و اشیاء کون سی ہیں مشینی اشیاء وہ ہیں جن کے اثرات فعلی ہوں جو دیگر اعضاء یا اشیاء میں تحریک پیدا کرتی ہیں اور کیمیاوی اشیاء وہ ہیں جن کے اثرات انفعالی ہیں یعنی وہ دیگر اشیاء یا اعضاء میں اول جذب ہوتی ہیں اور پھر اپنے اثرات ظاہر کرتی ہیں۔ انشاء اللہ ہم اس سلسلہ میں اپنی تحقیقات پوری وضاحت سے بیان کریں گے۔ یہاں یہ جان لیں کہ فرنگی طب میں جہاں اور خامیاں ہیں وہاں یہ بھی ایک بہت بڑی خامی ہے جس سے نصف کیمسٹری (کیمیا) خالی اور نامکمل ہے۔

موجودہ کیمسٹری جب یہ تسلیم کرتی ہے کہ جسم انسان چودہ عناصر سے مرکب ہے اور بایو کیمسٹری (کیمیائے زندگی) یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ ان چودہ عناصر کا اپنی پوری مقدار اور تناسب سے خون کے اندر مکمل ہونا صحت انسانی کے لئے لازمی ہے اور ان میں کمی مقدار اور تناسب مرض کی علامت ہے تو بس اسی قوام کا نام مزاج ہے مزاج کے معنی چند چیزوں کے ملنے اور اثر و تاثر اور فعل و انفعال کے بعد جو قوام پیدا ہوتا ہے —— جیسا کہ شیخ الرئیس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔ گویا موجودہ سائنس عملی طور پر مزاج تسلیم کرتی ہے۔ لیکن علمی طور پر انکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موالید ثلاثہ میں ہر مقام پر مزاج قائم ہے جس سے انکار ناممکن ہے۔ اس کے ساتھ اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ تشخیص میں طب یونانی کے چار ارکان کی چار کیفیات کو جانچنا اور تجزیہ کرنا سہل ہے یا طب مغرب کے چودہ عناصر کا تجزیہ اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان چار میں سے گرمی و سردی دو کیفیات فاعلہ اور تری و خشکی دو کیفیات منفعلہ ہیں یعنی اول صرف گرمی سردی کو سمجھ لیا جاتا ہے اس کے بعد باقی دو کیفیات کو جوڑ لیا جاتا ہے۔ یہ چیز ہر معالج آسانی سے سمجھ لیتا ہے اس کے مقابلہ میں چودہ عناصر کا تجزیہ و علم بغیر لیبارٹری کے ایک معالج کے بس کا روگ نہیں ہے جس میں کم از کم ایک دن خرچ ہو جاتا ہے اتنی دیر مریض بچے یا مرے۔ اس پر مزید ستم یہ ہے افسوس یہ ہے کہ اس تجزیہ کے بعد بھی صرف اس عنصر کا علم ہوگا مرض کا علم پھر بھی یقینی نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر عنصر کی خرابی سے کئی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اندازہ نہیں ہوگا کہ اس خاص عنصر کے کم ہو جانے سے کونسا عنصر بڑھ گیا ہے جس کو علاج میں پورا کرنا چاہئے یا بڑھ جانے کو کم کرنا چاہئے یا دونوں کو ساتھ ہی کم و بیش کرنا چاہئے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ سائنس کو اس امر کی تحقیق بالکل نہیں ہے کہ کس نمک کے بڑھ جانے سے کونسا نمک کم ہو جاتا ہے اور کس نمک کے کم ہونے سے کونسا نمک بڑھ جائے گا۔ یہ سب کچھ ایک گورکھ دھندا بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہر عامی سے عامی بھی جانتا ہے کہ گرمی کی زیادتی سے سردی کم ہو جاتی ہے اور تری کی کمی سے خشکی بڑھ جاتی ہے۔

## مزاج کی تقسیم

شیخ الرئیس بیان کرتے ہیں "مزاج عقلی طور پر تقسیم ہوتا ہے (معتدل حقیقی اس مزاج کو کہتے ہیں جس مرکب میں

متضاد کیفیات (عقلی طور پر) مساوی مقدار میں ہوں (۲) معتدل غیر حقیقی جو اعتدال حقیقی سے خارج ہو لیکن قسم اول کا وجود بیرونی طور پر قطعی ممکن نہیں البتہ جو مزاج بیرونی طور پر پائے جاتے ہیں وہ اعتدال حقیقی سے خارج ہوتے ہیں۔ قسم اول کا نام اطبا نے معتدل فرضی رکھا ہے اور وہ مزاج ہے جو کسی نوع کے موضوع میں پایا جاتا ہے وہی مزاج اس کے لئے بہتر ہے اور دوسرا وہ مزاج جو اعتدال سے خارج ہو۔" (ل)

طب یونانی میں مزاج پر بحث کر کے بے شمار گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے اس کا کمال پہلو یہ ہے کہ کائنات میں موالید ثلاثہ کے ساتھ انسان پر عقلی طور سے بحث کی ہے اس صورت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا کائنات میں کیا درجہ ہے اور وہ اشرف المخلوقات کیوں ہے اور پھر ہر انسان اپنے مزاج کی وجہ سے دیگر انسانوں پر کیا تفوق رکھتا ہے۔ ایک ذہین انسان کو جاہل انسان پر کیا فوقیت ہے اور انتہا یہ ہے کہ ایک نبی اپنے اعتدال مزاج کی وجہ سے دیگر انسانوں پر درجہ میں کیوں بلند ہے اور سب سے بڑھ کر خوبی یہ ہے کہ مزاج کی اصلاح سے انسانوں میں بلندی مراتب کی جا سکتی ہے۔

ایلوپیتھی نے مزاج کی بحث چھوڑ کر نہ صرف علمی دنیا میں ایک نقصان عظیم کیا ہے بلکہ طب یونانی کے پھلتے پھولتے شجر پر سایہ ڈال کر سالہا سال تک اس کی نشو و نما میں رکاوٹ ڈالی ہے۔ مگر سائنس اس اہم مسئلہ کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔ آخر یورپ میں ایسے سائنسداں پیدا ہوئے جنہوں نے مسئلہ ارتقا کو جانا اور اس پر بحث و تمحیص کی اور اس بحث و تمحیص میں کائنات کی ابتدا۔ موالید ثلاثہ پر غور و فکر کیا گیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حیوانات کی ابتدا نباتات کی انتہا اور نباتات کی ابتدا جمادات کی انتہا ہے اسی طرح حیوانات کی انتہا ابتدائی انسان (بندر، بن مانس، ریچھ وغیرہ) سے ہوئی ہے۔ ان مسائل کی صحت پر ابھی تک اگرچہ کوئی مکمل ثبوت بہم نہیں پہنچایا گیا تاہم یہ حقیقت مسلمہ امر ہے کہ اس دنیا میں ارتقا قائم ہے اور کائنات کی ہر شے میں مدارج پائے جاتے

ہیں جن کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور انسان ان سب میں اشرف المخلوقات ہے۔ اس وقت تک سائنس نے انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرنے میں جو صورت اختیار کی ہے اس میں صرف ادراک اور شعور سے کام لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سوائے انسان کے کسی حیوان اور نباتات میں نہیں پائے جاتے۔ نشو و نما، احساس ادراک اور شعور پر بحث پھر کبھی کریں گے۔ البتہ یہاں ہم مزاجاً ثابت کرتے ہیں کہ یہ ادراک اور شعور بغیر اس مزاج کے نہیں پائے جاتے جن میں اعتدال حقیقی کا بہت قرب نہ پایا جائے۔ یہ تطابق جہاں انسان کے اشرف المخلوقات کی تصدیق ہے وہاں مزاج کی حقیقت کی سچائی کا بھی ثبوت ہے۔

## انسان کا مزاج اور اشرف المخلوقات ہونا

فن طب میں دو قسم کے مزاجوں سے بحث کی گئی ہے، مزاج معتدل حقیقی اور مزاج معتدل فرضی۔ مزاج معتدل حقیقی یعنی وہ مزاج جس میں چاروں کیفیات برابر ہوں۔ اس صورت کا پایا جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ کیفیات ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لئے لازم ہے کہ ان کے باہم امتزاج سے جب کسر و انکسار اور اثر و متاثر عمل میں آئے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی کیفیت غالب ہو اس مزاج کا وجود عملی نہیں ہے بلکہ عقلی ہے اور اس کا ذکر صرف تمثیلی ہے۔ دوسرا مزاج معتدل فرضی ہے۔ یہ وہ مزاج ہے جو کائنات کی ہر شے کے مطالعہ کے بعد اس میں فرض کیا گیا ہے کہ صحت کی حالت میں موالید ثلاثہ کی ہر چیز میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً شیر میں اس قدر گرمی رکھ دی گئی ہے کہ اس سے اس کے قویٰ جرأت اور صحت قائم رہتی ہے اسی طرح خرگوش میں سردی غالب ہے جو اس کی صحت کے قیام کے ساتھ اس میں خوف کے غلبہ کو قائم رکھتی ہے۔ اسی طرح موالید ثلاثہ کی ہر شے کا ایک مزاج فرض کیا گیا ہے جس پر اس کی صحت و زندگی قائم ہے۔ جمادات، نباتات

اور حیوانات کے بعد جب انسان کا فرضی مزاج دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ تفاوت نہیں پایا جاتا جو حیوانی مزاج میں پایا جاتا ہے یعنی ایک طرف اس میں شیر کی انتہائی حرارت اور دوسری طرف خرگوش کی انتہائی برودت نظر آتی ہے۔ انسان میں حرارت و برودت کا تفاوت بہت کم ہے۔ بالفاظ دیگر اس میں چاروں کیفیات برابر برابر تو نہیں البتہ دنیا کی تمام مخلوقات میں مزاج معتدل حقیقی کے بہت ہی قریب ہیں۔

نظریہ ارتقا کی تحقیق کے لئے مزاج کا مسئلہ کتنا آسان ذریعہ ہے کیونکہ موالید ثلاثہ کے مزاج میں نہ صرف تفاوت بلکہ ایک تطابق بھی پایا جاتا ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کو فن طب میں دو قیمتی اصولوں میں بند کر دیا ہے۔ مزاج معتدل حقیقی اور مزاج معتدل فرضی۔ اگر مزاج معتدل حقیقی اس دنیا میں نہیں پایا جاتا تاہم اس کو کائنات کا ایک عقلی مزاج اور مرکزی نقطہ تو کہہ سکتے ہیں۔ اس مزاج کو مرکزی نقطہ مقرر کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جس شئے کا مزاج "جو ہم نے اس کی صحیح صحت کے مطابق فرض کیا ہے" اس اعتدال حقیقی کے زیادہ قریب ہوگا وہی احسن اور افضل ہوگا۔ اس سے نہ صرف جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں کا باہم تفاوت، اور ارتقائی مقام کا پتہ چلتا ہے بلکہ انسانوں کے باہمی تفاوت کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے ایک شخصیت کی انسانیت، آدمیت، ادراک عقل اور حکمت کا دوسری شخصیت سے فرق کیا جا سکتا ہے بلکہ ایک قوم و ملک کا دوسری قوم و ملک اور ایک جنس کا دوسری جنس کے ساتھ ذہنی اور جسمانی فرق کیا جا سکتا ہے۔

### مزاج کے حدود

طب میں جہاں سہولت کے لئے مزاج کا ایک مرکز (مزاج معتدل حقیقی) اور اس کے بعد (مزاج معتدل فرضی) مقرر کر دیا گیا ہے وہاں اس کا حدود اربعہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے جس سے وہ باہر نہیں ہوگا۔ شیخ الرئیس کا کمال ہے کہ وہ ہر مسئلہ کو پہلے کلی طور پر اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے

اور پھر اس کے جزئیات کی طرف آتا ہے تاکہ طالب علم ہر مسئلہ کو سہولت سے سمجھنے کے بعد اس کے جزئیات و کلیات پر بھی پورے طور پر حاوی ہو جائے وہ آٹھ حدود مندرجہ ذیل ہیں (۱) معتدل نوعی (۲) معتدل صنفی (۳) معتدل شخصی (۴) معتدل عضوی۔ پھر قیاس کے اعتبار سے ان کو خارجی اور داخلی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ ہر اعتبار سے مزاج کا اعتدال ہر طالب علم کے سامنے آ جائے۔

### شیخ الرئیس کے مقرر کردہ آٹھ حدود

شیخ الرئیس لکھتے ہیں "اس معنی (اعتدال فرضی) کے لحاظ سے معتدل فرضی کی مختلف اعتبارات سے آٹھ قسمیں ہوتی ہیں"۔ یعنی جب کسی فرضی معتدل کو معتدل کہا جاتا ہے تو اس کو ان آٹھ اعتبارات میں سے کسی ایک اعتبار سے ہی معتدل کہا جاتا ہے

### (۱) معتدل نوعی بالقیاس الی الخارج

یہ وہ مزاج ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں حاصل ہے۔ یعنی وہ مخصوص مزاج جو مخلوقات کی کسی نوع کو حاصل ہو اور یہ مزاج اس نوع کے لئے یقیناً معتدل اور مناسب ہوگا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ جو مزاج انسان کے لئے مناسب اور معتدل ہے اس کے بغیر انسان ہونا ناممکن ہے مگر یہ مزاج انسانی شیر اور خرگوش کے لئے مناسب نہ ہوگا اور نہ شیر اور خرگوش کا مزاج انسان کے لئے مناسب ہوگا اور یہ مزاج انسان کے ہر ایک فرد میں خواہ وہ بچہ ہو یا جوان، عورت ہو یا مرد، پاکستانی ہو یا برمی کم و بیش اختلاف کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ مخصوص مزاج نہ ہو تو وہ انسان اپنے مقام پر انسان ہی نہ رہے۔

### (۲) معتدل نوعی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج اس شخص کو حاصل ہوگا جو انسان کے اشخاص میں سب سے زیادہ معتدل ہوگا۔ گویا اس نوع کے اندر جو افراد داخل ہیں ان سب کے

مزاج کے مقابلہ میں یہ مزاج معتدل ہوگا۔

## (۳) معتدل صنفی بالقیاس الی الخارج

یہ مزاج کسی اقلیم کے باشندوں کو دوسری اقالیم کے مقابلہ میں حاصل ہوگا یعنی وہ مزاج جو کسی نوع کی ایک صنف کو دوسری اصناف کے مقابلہ میں حاصل ہوتا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ انسان ایک نوع ہے۔ اس کی بہت سی اصناف عربی، پاکستانی اور یورپی وغیرہ ہیں ہر ایک صنف کا مزاج دوسری صنف سے جداگانہ اور مخصوص ہوتا ہے اور یہی اس کے لئے معتدل اور بہتر ہوتا ہے۔

## (۴) معتدل صنفی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج اس شخص کو حاصل ہوگا جو کسی معین صنف کے اشخاص میں سب سے زیادہ معتدل ہوگا۔ یعنی وہ مزاج جو نوع کی کسی صنف کو حاصل ہو اور اس صنف کے اندر جو افراد داخل ہوں ان سب کے مقابلہ میں معتدل ہوگا۔

## (۵) معتدل شخصی بالقیاس الی الخارج

یہ وہ مزاج ہے جو کسی معین شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ یعنی وہ مخصوص مزاج جو کسی نوع کے اشخاص کو حاصل ہو اور یہ اس نوع کے دوسرے اشخاص کے مقابلہ میں معتدل ہوتا ہے۔ اس مزاج کے لحاظ سے ہر شخص معتدل ہے خواہ وہ گرم، سرد کوئی مزاج رکھتا ہو گویا ہر شخص کا مخصوص مزاج اس کے لئے مناسب ہے دوسرے شخص کا مزاج اس کے لئے ہرگز مناسب نہیں خواہ دوسرا شخص زیادہ معتدل ہو۔

## (۶) معتدل شخصی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج جب کسی شخص کو حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ہر خراب حالت سے دور ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ معتدل شخصی اس کے اپنے لحاظ سے ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر شخص کا مزاج ابتدائے عمر سے آخر تک ایک حال پر قائم نہیں رہتا بلکہ عمر، موسم



صحت، تندرستی و مرض میں بدلتا رہتا ہے۔ مگر ایک حالت ایسی ہوگی جس میں وہ بہت زیادہ تندرست ہو اور اس کے سب افعال درست ہوں۔ چنانچہ اس وقت کا مزاج ہی اس کا بہترین مزاج ہوگا۔

## (۷) معتدل عضوی بالقیاس الی الخارج

یہ وہ مزاج ہے جو تمام اعضا کے ہر نوع میں پایا جاتا ہے یعنی وہ مزاج جو ہر ایک عضو کو غیر کے مقابلہ میں حاصل ہے تاکہ وہ دیگر نوع سے اپنے اس مزاج کے لحاظ سے مختلف ہو جائے۔ مثلاً ہڈی، گوشت، چربی ہر ایک کا دوسرے سے ایک الگ مزاج ہے اور وہی اس کے لئے مناسب ہے۔

## (۸) معتدل عضوی بالقیاس الی الداخل

یہ مزاج جب کسی عضو کو حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بہترین حالات میں ہوتا ہے۔ یعنی یہ مزاج اس عضو کے ذاتی حالات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں اول اس کی وہ صورت جبکہ وہ اپنے مزاج کی بہترین صورت میں ہونے کی وجہ سے اعتدال پر ہو اور دوسری جبکہ تمام اعضا میں کوئی ایک اپنے مزاج کی وجہ سے دوسروں کی نسبت اعتدال حقیقی کے قریب کہا جا سکے۔

## مزاج غیر معتدل

اس کے متعلق شیخ الرئیس فرماتے ہیں "وہ مزاج جو حسب مناسب اطبا غیر معتدل ہے یعنی اعتدال فرضی سے خارج ہو۔ اس کی آٹھ اقسام ہیں۔ اس لئے کہ وہ گرم ہوگا یا سرد یا تر و خشک۔ اسی طرح وہ گرم تر یا گرم خشک ہوگا یا سرد تر یا سرد خشک ہوگا۔

# ۳۔ اخلاط

شیخ الرئیس فرماتے ہیں۔ "الخلط جسمٌ رطبٌ سیالٌ یستحیل الیہ الغذا اوّلاً وانواعہ الدم وھو حارٌ رطبٌ والصفرا وھی حارۃ یابسۃ والبلغم وھو باردٌ رطبٌ والسوداء وھی باردۃ یابسۃ۔" "خلط ایک تر اور بہنے والا مادہ ہے۔ غذا ہضم ہونے کے بعد پہلے اسی کی صورت اختیار کرتی ہے اور اس کے اقسام یہ ہیں (۱) خون جو گرم تر ہے (۲) صفرا جو گرم خشک (۳) بلغم جو سرد تر اور (۴) سودا جو سرد خشک ہے۔" اس کی تشریح یہ ہے کہ غذا کے معدہ و امعاء سے ہضم ہونے کے بعد اس کا جو خلاصہ جگر کی طرف بذریعہ ماساریقا کے چلا جاتا ہے اس خلاصہ غذا سے تمام اخلاط بنتے ہیں جن کو خون، صفرا، بلغم اور سودا کہتے ہیں اور یہ تمام اخلاط جگر میں پیدا ہوتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ اخلاط غذا کا جو حصہ معتدل طور پر پختہ ہو کر جاتا ہے وہ خون، جو پک کر زیادہ لطیف ہو جاتا ہے وہ صفرا جو جل کر سیاہ ہو جاتا ہے وہ سودا اور خام رہ جاتا ہے وہ بلغم ہے۔

اس کے مقابلہ میں یورپی طب کا نظریہ یہ ہے کہ غذا کا خلاصہ جگر کی طرف ماساریقا کے ذریعہ بہت کم جاتا ہے۔ اس کا زیادہ حصہ عروق بعینہ اور مجری الصدر کے ذریعے جگر سے پہلے قلب میں پہنچتا ہے۔ ماساریقا کا بڑا کام معدہ اور امعاء سے وریدی خون کا واپس لے جانا ہے (۲) اخلاط چار نہیں بلکہ صرف ایک خون ہے جو مختلف اجزا سے مرکب ہے۔ (۳) کچھ اجزا جگر میں بنتے ہیں (۴) کچھ طحال (۵) کچھ ہڈیوں کے گودے اور (۶) کچھ بدن کی گلٹیوں میں تیار ہوتے ہیں (۷) صفرا روانی جگر میں بنتا ہے (۸) بلغم کا مستقل کوئی وجود نہیں (۹) زیادہ سے زیادہ اسے خون کا ایک جز تسلیم کرنا پڑے گا (۱۰) سودا کا وجود ثابت ہی نہیں ہوتا اور (۱۱) طبعی خون کے لئے جگر میں پیدا ہونا ضروری نہیں

بلکہ محض کیمیاوی طور پر درست ہونا لازمی ہے۔

شیخ الرئیس کی تعریف خلط میں چند فوائد و قیود

## اخلاط کے متعلق شیخ الرئیس کے فوائد و قیود

بھی ہیں یعنی رطب کہنے سے ہڈی، گوشت کری وغیرہ الگ ہو گئے۔ سیال نے چربی کی نفی کر دی "جس کی طرف غذا منتحیل ہوتی ہے"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ غذا کی ماہیت (صورت نوعیہ) بدل کر دوسری شکل اختیار کر لے۔ اس نے کیلوس کو الگ کر دیا کیونکہ کیلوس اگرچہ جسم رطب اور سیال ہے مگر اس میں صورت نوعیہ غذا کی قائم ہے اور غذا کی بو اور مزہ قائم رہتا ہے۔ اور "منتحیل اولاً" کی قید سے رطوبت ثانیہ اور دیگر اقسام کی رطوبات کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ تمام اگرچہ جسم رطب اور سیال ہیں اور غذا کا استحالہ بھی ان کی طرف ہو سکتا ہے مگر استحالہ اولاً نہیں ہوتا بلکہ اولاً غذا اخلاط ہی کی طرف منتحیل ہوتی ہے۔

اس تشریح اور فوائد و قیود کو ذکر کرنے کے بعد اب ہم طب یورپ کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں جو ہمارے مطالعہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتے ہیں اور فیصلہ اہل علم و فن پر چھوڑتے ہیں کہ آیا طب یونانی حقیقت پر ہے یا طب فرنگی۔

**اعتراض نمبر ۱** غذا کا خلاصہ جگر کی طرف ماساریقا کے ذریعہ بہت کم جاتا ہے اس کا زیادہ حصہ عروق لبنیہ اور مجری الصدر کے ذریعے جگر سے پہلے قلب میں پہنچتا ہے۔

**جواب** جاننا چاہئے کہ غذا کا جو خلاصہ عروق لبنیہ اور مجری الصدر کے ذریعے قلب میں جاتا ہے وہ کیلوس ہی سے مجذب ہو کر جاتا ہے۔ اس کا رنگ اگرچہ سفید ہوتا ہے اور اس میں غذا کی صورت نوعیہ اور بو بھی زائل نہیں رہتی لیکن ہم اس کو خون بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ سرخ نہیں ہوتا اس کی شکل زیادہ سے زیادہ سفید رطوبت خون کی ہوتی ہے یا زیادہ سے زیادہ اس میں سفید ذرات کی زیادتی تسلیم کریں

اور جب یہی رطوبت دوران خون کے ساتھ جگر میں صاف ہونے کے لئے پہنچتی ہے تو وہاں پر اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور اس کا صفرا اس سے الگ ہو جاتا ہے اس امر سے کسی یورپی ڈاکٹر اور سائنسدان کو انکار نہیں کہ خون جگر میں صاف ہوتا ہے اور اس کا صفراوی مادہ اس سے جدا ہوتا ہے اور اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں ہے کہ خون میں رطوبت خون اور سفید ذرات خون شامل ہوتے ہیں جو بوقت ضرورت خون اور سرخ ذرات خون میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور یہی کام جگر اور مختلف غدد کی حرارت انجام دیتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک جگر کی حرارت خام خون پر اثر انداز نہ ہو تو وہ کبھی بھی پختہ اور اصلی خون میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اس مسلمہ حقیقت کے بعد اس امر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جب تک کیلوس سے جذب شدہ رطوبت جگر میں جا کر حرارت حاصل نہ کرے اس وقت تک پختہ اور اصلی خون نہیں بنتا اور نہ ہی اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ کیلوس سے کشید شدہ رطوبت پہلے قلب میں جائے یا جگر میں، جب تک جگر کی حرارت سے پختہ نہ ہو اس وقت تک خون کی شکل اختیار نہیں کر سکتی۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جو خلاصہ غذا قلب کی طرف نکل جاتا ہے اس میں روغنی اجزا نہیں ہوتے کیونکہ وہ بغیر صفراوی مادہ کے حل نہیں ہوتے لہذا جگر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے قدرت فیاض واقع ہوتی ہے کہ وہ خلاصہ غذا کا ایک حصہ فوراً دل کی طرف بھیج دیتی ہے تاکہ جسم کو فوراً غذا مل جائے اور ساتھ ہی اگر جگر کی طرف ہضم کرنے والے اعضا کمزور یا مریض ہو تو جسم غذا کی کمی کی وجہ سے نقصان میں رہے اسی طرح کبھی قلب کی طرف خلاصہ غذا روانہ کرنے والا حصہ کمزور یا مریض ہو جائے تو جگر والا حصہ جسم کو غذا کے نقصان سے بچالے۔ لیکن اس میں ایک اسرار یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جو خلاصہ غذا قلب کی طرف جاتا ہے اس میں تیزابیت غالب ہوتی ہے تیزابیت کا خاصہ دل کو تقویت دینا اور سکیڑنا اور حرکت میں رکھنا ہے۔ جو حصہ جگر کی طرف جاتا ہے وہ جگر میں تقویت، حرارت اور اس کے فعل کو تیز کرتا ہے۔ یہ وہ تحقیقات ہیں جن سے نہ صرف فرنگی طب بلکہ جدید سائنس بھی خالی ہے۔ ||| 

## دوسرا اعتراض

اخلاط چار نہیں بلکہ صرف ایک ہے۔ خون ہے اور وہ مختلف اجزا سے مرکب ہے۔

## جواب

یہ سمجھنا کہ خون چار اخلاط سے مرکب نہیں ہے صحیح نہیں بلکہ حقیقت میں خون کی چار صورتیں ہیں اور ہر صورت کے خواص جداگانہ ہیں۔ آسانی سے یہ مسئلہ یوں سمجھ میں آ سکتا ہے کہ دراصل خون کا رنگ سرخ نہیں بلکہ سفید ہے جس کو یونانی خام خون (بلغم) کہتے ہیں جو بوقت ضرورت حرارت سے استحالہ حاصل کر کے سرخ خون بن جاتا ہے۔ فرنگی طب اس رطوبت کو خون ہی تسلیم کرتی ہے جو کیلوس بن جانے کے بعد کشید ہو کر مجری الصدر کے ذریعے قلب کی طرف جاتا ہے اور اس کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت جگر اور دیگر غدد میں حرارت سے پختہ ہوتا ہے۔ دونوں طبوں کے ان حقائق سے یہ امر مسلمہ ہو گیا ہے کہ خام خون سفید ہے اور حرارت سے پختہ ہو کر سرخ ہو جاتا ہے جس طرح معتدل حرارت سے خام خون سرخ ہو جاتا ہے جس کو خون کہتے ہیں اسی طرح زیادہ حرارت سے زرد رنگ کا صفرا پیدا ہو جاتا ہے جس کو جگر صاف کرتا ہے۔ فرنگی طب کو اس سے انکار نہیں، بلغم سے بھی انکار نہیں کرتی کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ خام خون بلغم ہے اور سرخ خون کو تو وہ تسلیم کرتی ہے البتہ سودا کی صورت سے منکر ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو فوراً یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ جب معتدل حرارت سے خام خون (خلاصہ غذا) سرخ خون، زیادہ تیز حرارت سے صفرا میں تبدیل ہو جاتا ہے تو کیا اشد حرارت سے وہ جل کر سیاہ صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اب ہر صاحب عقل بتا سکتا ہے کہ طب یونانی کے چار اخلاط کو سمجھنے میں کیا دقت ہے۔ یہ سارا کارنامہ حرارت کا ہے جو جگر میں پیدا ہوتی ہے جس سے یہ تمام تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر

طبیعت جسم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک دم تمام خام خون (خلاصہ غذا) نہ خون میں تبدیل کرتی اور نہ سارے کا سارا صفرا اور سودا بنا دیتی ہے بلکہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قوتِ مدبرہ بدن ایسے اجزا کو جو جسم میں زیادہ ہو جائیں اور ان سے نقصان کا احتمال ہو نکالتی رہتی ہے۔ اسی کے تحت صفرا کو جگر اور سودا کو طحال صاف کرتی ہے گویا جسم انسانی میں بلغم (خام خون خلاصہ غذا) کے ساتھ ساتھ (معتدل حرارت والا) سرخ خون (زیادہ حرارت والا) صفرا اور (اشد حرارت والا) سودا ملے جلے پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جسم انسان کی مشین کچھ ایسی بنی ہے کہ ایک طرف غذا سے خون بنتا جاتا ہے اور دوسری طرف جسم میں خرچ ہوتا جاتا ہے اور تیسری طرف خراب اور ناکارہ خون صاف ہوتا جاتا ہے۔ یہ مشین کے تین حصے اپنا عمل کیسے انجام دیتے ہیں اس کی تفصیل آئندہ اپنے مقام پر آئے گی۔ جہاں تک خون کا تعلق ہے وہ غذا کا خلاصہ اور غذا عناصر سے مرکب اور عناصر چودہ پندرہ قسم کے جسم انسان میں پائے جاتے ہیں اور یہ عناصر چار ارکان سے مرکب ہیں جن کی تفصیل و تشریح ارکان اور مزاج کے سلسلہ میں کی جاچکی ہے۔

## اعتراضات نمبر ۳-۴-۵-۶-۷

(۳) کچھ اجزا جگر میں بنتے ہیں (۴) کچھ طحال میں (۵) کچھ ہڈیوں کے گودے میں اور (۶) بدن کی گلٹیوں میں تیار ہوتا ہے (۷) صفرا واقعی جگر میں بنتا ہے۔

## جواب

یہ قطعاً غلط ہے کہ خون مندرجہ بالا مقامات پر تیار ہوتا ہے بلکہ خون صرف معدے اور امعاء میں تیار ہوتا ہے جہاں غذا تحلیل ہو کر کیلوس کی شکل اختیار کرتی ہے۔ دوسرے تمام مقامات پر کیمیاوی اعمال سے خون صاف ہوتا ہے یا حرارت سے پختہ ہوتا ہے۔ جگر میں بھی خون تیار یعنی پیدا نہیں ہوتا بلکہ پختہ اور صاف ہوتا ہے یہ جو کہا گیا ہے کہ جگر میں تمام اخلاط پیدا ہوتے ہیں تو اس سے مراد ان کا بننا اور شکل اختیار کرنا ہے ورنہ پیدائش صرف معدہ اور امعاء میں ہوتی ہے۔ پھر ضرورت کے مطابق مختلف اعضا اور مقامات میں صاف ہونا اور بعض کیمیاوی صورتوں سے اس شکل و ترکیب میں تغیر پیدا ہوتا ہے تاکہ مختلف اعضا کے مناسب تیار کیا جائے مثلاً جگر میں سے جب خام خون یا خام مع پختہ خون گذرتا ہے تو حرارت کے اثر سے اس میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر حرارت اعتدال سے زیادہ ہو تو صفرا زیادہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی رنگت میں زردی نمایاں ہو جاتی ہے اور اگر حرارت کا شدید اثر ہو جائے تو خون میں سیاہی (کاربن) پیدا ہو جاتی ہے جس کو سودا کہتے ہیں جب یہی خون طحال کی طرف جاتا ہے تو وہاں کیمیاوی اثر سے اس میں سیاہی صاف ہوتی ہے اور تیزابیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہی تیزابیت ضرورت کے وقت رطوبت معدی کی صورت میں معدہ اور دیگر عضلات پر گر کر اس میں تحریک و تقویت کا باعث ہوتی ہے جیسے جگر کا صفرا ضرورت کے وقت آنتوں پر گر کر ان میں تحریک پیدا کرتا ہے، تعفن دور کرتا اور روغنی اجزاء کو ہضم کرتا ہے۔ تیزابیت معدہ سے فرنگی طب انکار نہیں کر سکتی ہے۔ جو بغیر ناقلا غدد سے ترشح پاتی ہے۔

## اعتراض نمبر ۸-۹

بلغم کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو خون کا ایک جز تسلیم کرنا پڑے گا۔

## جواب

حیرت کا مقام ہے کہ بلغم (خام خون) جو دراصل صحیح معنوں میں خون ہے اس کو تسلیم نہیں کیا جا رہا اور سرخ رنگ کے محلول کو خون کہا جا رہا ہے جو خام خون کی حرارت سے پختہ ہو کر ایک شکل ہے۔ اسی طرح صفرا کو تسلیم کیا جاتا ہے جو خون میں اعتدال سے زیادہ اثر کرنے کا نتیجہ ہے مگر سودا کو نہیں تسلیم کیا جاتا جو خون میں اشد حرارت کے عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔ ان اخلاط کی ان چار صورتوں کی بہترین مثال دودھ ہے جس سے یہ مسئلہ آسانی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

کچا دودھ جب کسی برتن میں ڈال کر دیکھا جائے تو اوپر سے نیچے تک ایک جیسا

ہوتا ہے۔ جب اس کو آگ پر رکھا جائے تو تھوڑی دیر ابلنے کے بعد اس کے اوپر بالائی آجاتی ہے اور دودھ کے اندر دانہ بن جاتا ہے گویا سفید ذرات دودھ کی رطوبت میں تیرتے نظر آتے ہیں۔ جب زیادہ آگ پر رہے تو بالائی کے رنگ میں زردی اور دودھ میں ہلکی سرخی پیدا ہو جاتی ہے اور برتن کے تلے میں سیاہی مائل بالائی کی قسم کی ایک شے جم جاتی ہے جس کو کھرچن کہتے ہیں گویا دودھ کو گرم کرنے سے اس کی چار صورتیں بن جاتی ہیں (۱) بالائی (۲) ذرات (۳) رقیق سفید رطوبت (۴) گاڑھا اور بعض اوقات سخت شدہ دودھ۔ ان چار صورتوں کی شکل بالکل چار اخلاط کی ہے۔ ذرات خون، بالائی صفراوی جھاگ۔ رقیق سفید رطوبت بلغم اور گاڑھا دودھ سودا کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر کوئی کیلوس (خام خون) کی چار حالتوں سے انکار کر سکتا ہے؟ مگر حقیقت پسند نہیں بلکہ کور باطن ہے۔

پس یہ حقیقت ہے کہ خون دراصل کیلوس کی اس حالت کا نام ہے جب آنتوں سے جذب یا کشید ہو کر خون میں شریک ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ جگر میں سے گذرتے وقت اس کی معتدل حرارت اس کو پکا کر سرخ بنا دیتی ہے اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب حرارت اعتدال سے زیادہ ہو یا غذا کے اجزا میں حرارت زیادہ ہو تو جگر میں صفرا کی صورت نمودار ہوتی ہے اور جب حرارت اشد ہو یا غذا میں سوداوی اجزا کی زیادتی ہو تو سودا زیادہ تیار ہوتا ہے۔ جگر میں جب خون پختہ ہو کر چار رنگ اختیار کر لیتا ہے وہاں پر اس کی چار حالتیں بھی نظر آتی ہیں (۱) خون کے جھاگ (۲) خون کے ذرات (۳) خون کی رطوبت (۴) خون کی غلظت جو علی الترتیب صفرا، خون، بلغم اور سودا کہلاتے ہیں۔ یہاں اس غلطی کا پھر ازالہ کیا جاتا ہے کہ خون چار اخلاط سے مرکب ہے بلکہ اخلاط خون کی چار صورتوں کا نام ہے جو حرارت بن جاتی ہیں۔

## اخلاط کے خواص و فوائد

اخلاط کو صحیح طور پر سمجھنے اور ذہن نشین کرانے کے لئے اطبائے قدیم نے ان کے خواص و فوائد بھی بیان کئے ہیں تاکہ پوری طرح ذہن نشین کر کے ان سے فوائد حاصل کئے جائیں۔ پہلے ان کو صالح و غیر صالح کے لحاظ سے دو اقسام (۱) خلط طبعی اور (۲) خلط غیر طبعی میں تقسیم کیا ہے اور پھر ان کے فوائد بیان کئے ہیں جو شیخ الرئیس کے الفاظ میں ذیل میں درج ہیں۔

## خون کے اوصاف

"خون طبعی کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ اس میں بدبو نہیں ہوتی اور اس کا مزہ (دوسرے اخلاط کی نسبت) شیریں (اچھا ذائقہ) ہوتا ہے اور خون غیر طبعی رنگ۔ بو اور مزہ میں خون طبعی کا مخالف ہوتا ہے۔"

## صفراء کے اوصاف

صفرا طبعی خون طبعی کے جھاگ ہوتے ہیں اور وہ اپنے اوصاف میں شوخ سرخ ہوتا ہے۔ وزن میں ہلکا اور مزے میں تیز ہوتا ہے اور جگر میں پیدا ہوتا ہے۔ صفرا غیر طبعی کے چار اقسام ہیں (۱) مرہ جس میں پانی کی طرح رقیق رطوبت ملی ہوتی ہے (۲) مرہ محیہ جس میں غلیظ رطوبت ملی ہوتی ہے (۳) کراثی جو صفرائے محترقہ اور صفرائے مرہ سے مرکب ہے اس کی پیدائش معدہ میں ہوتی ہے (۴) زنگاری جو تمام اقسام سے گرم اور مزاج میں زیادہ تر زہر کے قریب ہے۔"

## بلغم کے اوصاف

"بلغم طبعی وہ ہے جو کامل خون بننے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور وہ ایسا خون ہے جو پوری پختگی پانے سے قاصر رہا ہے۔ بلغم غیر طبعی کے پانچ اقسام ہیں (۱) حلو جس میں کسی قدر خلط شیریں کی آمیزش ہوتی ہے (۲) مالح (نمکین) اس میں صفرائے محترقہ (جلا ہوا) ملا ہوتا ہے (۳) حامض (ترش) وہ بلغم جس میں ضعیف حرارت اپنا اثر کر جاتی ہے (۴) عفص (کھٹا) جس میں جوہر ارضی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ جملہ اقسام بلغم میں زیادہ کثیف ہوتا ہے (۵) تفہ (بے مزہ) جس کا کوئی مزہ نہیں ہوتا اس میں جوہر مائی غالب ہوتا ہے، یہ تمام اقسام سے سرد ہے۔"

## سودا کے اوصاف

"سودا طبعی، خون طبعی کا تلچھٹ ہے۔ البتہ سوداء

غیر طبعی جلی ہوئی خلط ہے"۔

## کیفیت تولد اخلاط

جاننا چاہئے کہ پیدائش اخلاط کی کیفیت یہ ہے کہ غذا ایک ایسا جسم ہے جو بدن انسان میں پہنچنے سے اس کا ایک جزو بن جاتا ہے جب وہ معدہ میں داخل ہوتی ہے تو اس میں ایک ایسا استحالہ ہوتا ہے کہ وہ ایک جوہر (خلاصہ غذا) میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کی شکل غلیظ آش جو کی مانند ہوتی ہے وہ کیلوس کہلاتا ہے (یہ اولیں کشید ہے) پھر اس کا بھی صاف (لطیف) حصہ عروق ماساریقا کے ذریعہ جگر کی طرف بھیج دیا جاتا ہے (یہ دوسری کشید ہے) جگر میں اس کی حرارت سے (طبخ آتا ہے (یہ اولیں ہضم ہے) اس طبخ کے بعد وہ کیموس کہلاتا ہے اس میں سے ایک سے جھاگ کی مانند۔ ایک رسوب کی مانند۔ زیادتی طبخ کی وجہ سے دو کے ساتھ ایک شے جلی ہوئی۔ ایک شے غیر طبخ شدہ حاصل ہوتی ہے جبکہ طبخ میں کمی رہ جاتی ہے۔ پس جھاگ صفرائے طبعی۔ رسوب سودائے طبعی۔ لطیف جلی ہوئی شے صفرائے غیر طبعی اور کثیف سوئے غیر طبعی اور غیر طبخ شدہ شے بلغم ہے اور ان تمام میں جو صاف اور پختہ ہے، وہ خون ہے"۔



## خواص و افعال اخلاط

**خون** کا سبب فاعلی معتدل حرارت۔ سبب مادی معتدل اور مناسب اغذیہ واشربہ سبب صوری نضج کامل سبب غائی۔ بدن کو تغذیہ۔ گرمی اور رطوبت پہنچاتا ہے۔

**صفرائے طبعی** سبب فاعلی معتدل حرارت۔ زیادہ احتراق شدہ کا حرارت کی زیادتی۔ سبب مادی لطیف۔ گرم شیریں۔ چکنی اور چربی اغذیہ۔ سبب صوری طبعی کا پختگی کامل اد

---

لہ جو بھی خلط جل جائے وہ سودا بن جاتی ہے لیکن جاننا چاہئے کہ اصل خلط بلغم (خلاصہ کیلوس) ہے اور تمام اخلاط جگر کی حرارت سے ہی بنتے ہیں۔ سودا گویا اصل خلط کا جلنا ہے۔

غیر طبعی میں پختگی کا حد سے بڑھ جانا سبب غائی (۱) ایسے اعضا کو غذا پہنچانا جن کو اس کا پہنچنا مناسب ہے (۲) خون کو لطیف بنانا جس سے کہ وہ تنگ مجاری میں نفوذ کر سکے (۳) امعاء میں احساس پیدا کرنا تاکہ فضلات کے رفع کے لئے ان میں ضرورت پیدا ہو۔

**بلغم** سبب فاعلی کمی حرارت سبب مادی غلیظ، لیسدار اور سرد غذائیں، سبب صوری پختگی کی کمی اور سبب غائی (۱) جب بدن کو غذا کی کمی محسوس ہو تو فوراً پہنچ سکے (۲) بدن کو رطوبت پہنچانا (۳) ان اعضا کی غذا ہے جن کے لئے وہ مقرر ہے۔



**سودائے طبعی** کا سبب فاعلی معتدل حرارت اور احتراق شدہ کا اعتدال سے متجاوز حرارت سبب مادی غلیظ و کم رطوبت والی گرم اغذیہ۔ سبب صوری تہ نشین ذرہ جو نہ تو بہے اور نہ تحلیل ہو سکے۔ سبب غائی (۱) ان اعضا کو غذا پہنچانا جن کے لئے مقرر کیا گیا ہے (۲) طحال سے فم معدہ پر گر کر غذا کی خواہش پیدا کرنا جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادتی کیلئے بن سے تحریک پیدا کرتا ہے اور اپنی ترشی سے بھوک لگاتا ہے۔ یہ سارے کیمیاوی تغیر ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

## خلاصہ بحث

شیخ الرئیس کے مندرجہ بالا بیان کا خلاصہ درج ذیل ہے تاکہ پوری بحث سامنے آجائے اور اس پر فرنگی طب کے متوقع اعتراضات اور ان کے جوابات سمجھائے جا سکیں۔ تمام اخلاط خون، صفرا، بلغم، سودا، خلاصہ غذا سے جگر میں تیار ہوتے ہیں۔ خلاصہ غذا میں جو معتدل طور پر پختہ ہو جاتا ہے وہ خون جو پک کر زیادہ لطیف ہو جاتا ہے وہ صفرا، اور جو جل کر سیاہ ہو جاتا ہے وہ سودا اور جو خام رہ جاتا ہے وہ بلغم ہے خون کا مزہ شیریں ہے حتیٰ کہ بعض نے اس کی حلاوت کو شہد سے تشبیہ دی ہے۔ بلغم سرد تر اعضا جیسے دماغ اور اعصاب کے تغذیہ میں داخل ہوتا ہے، صفرا گرم خشک اعضا جیسے پھیپھڑے کے تغذیہ میں داخل ہوتا ہے اور اس کے فوائد یہ ہیں کہ یہ رگوں میں خون کے ساتھ جاتا ہے اور اس کو رقیق بنا کر باریک باریک رگوں میں نفوذ

کرا دیتا ہے اور آنتوں پر گر کر پاخانہ کے اخراج کا احساس کرا دیتا ہے۔ صفرائے طبعی کا رنگ شوخ سرخ یعنی زعفران کی مانند سرخ زردی مائل ہوتا ہے اور اس کا قوام لطیف و رقیق اور وزن میں خفیف ہوتا ہے۔ سودا خون کو غلیظ کرتا ہے تاکہ وہ اعضا کی ساخت میں قائم رہے اور جزو بدن بن سکے۔ ہڈیوں جیسے سرد خشک اعضا کی غذا ہے۔ طحال سے فم معدہ پر گر کر اپنی ترشی اور کسیلے پن سے بھوک لگا دیتا ہے۔



## یورپی طب کے متوقع اعتراضات

ان حقائق پر طب یورپ کے جو اعتراضات کئے جا سکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں :-

(۱) خون :- اگرچہ خون کے اندر شیریں اجزا ضرور ہیں مگر مزے میں شوریت غالب ہوتی ہے

(۲) بلغم :- تمام بدن کا تغذیہ محض خون سے ہوتا ہے اس لئے سرد تر اعضا جیسے دماغ اور اعصاب وغیرہ کا تغذیہ بھی خون ہی کے مخصوص اجزا سے ہوتا ہے۔

(۳) صفرا :- صفرا طبعی زرد یا زرد سبزی مائل ہوتا ہے۔ اسی میں کسی قدر لذوجیت بھی ہوتی ہے۔ یہ پانی سے ثقیل ہوتا ہے اور جب پتہ میں دیر تک رہتا ہے تو سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ تمام بدن کا تغذیہ محض خون سے ہوتا ہے اس لئے پھیپھڑے بھی اسی خون سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی مسہل ہونے کے علاوہ چربیلے اور روغنی مواد کے ہضم کرنے میں بھی حصہ لیتا ہے۔

(۴) سودا :- چونکہ سودا کا وجود ہی ثابت نہیں اس لئے اس کے تمام فوائد بھی ناقابل تسلیم ہیں۔ تمام اعضا کی پرورش کے لئے خون کے اندر ہر قسم کے مواد موجود ہیں اس لئے ہڈیوں کا تغذیہ بھی خون ہی سے ہوتا ہے۔ طحال میں سودا کا جمع ہونا اور پھر وہاں سے فم معدہ تک روانہ ہونا اور اس سے بھوک کا لگنا یہ سب باتیں ناقابل تسلیم ہیں۔ طحال کا کام خون کے بعض اجزا کا مکمل کرنا ہے۔ بھوک دیگر احساسات اور خواہشات کی طرح اعصاب کے تابع ہے۔ معدہ کے اندر جو ترشی پائی جاتی ہے وہ معدہ کی رطوبت سے حاصل ہوتی ہے اور اس سے غذا ہضم ہوتی ہے یعنی بھوک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

## اعتراضات کے جوابات

(۱) خون کے ذائقہ کے متعلق یورپی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ خون میں شیریں اجزا ہوتے ہیں مگر اس امر سے انکاری ہے کہ اس کا ذائقہ شیریں ہے اس کا کہنا ہے کہ خون کا ذائقہ نمکین ہے۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ وہ سائنس کی موجودہ تحقیقات پر عقل کی روشنی میں کیوں غور نہیں کرتی۔ طب یونانی کا دعویٰ یہ ہے کہ خون کا ذائقہ شیریں ہے نہ کہ صفرا، سودا اور بلغم سے مخلوط خون کا ذائقہ شیریں ہے۔ ان حقائق کو سائنس کی روشنی کا غور کرنے سے فرنگی طب کے مغالطہ کا صاف پتہ چل جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہم انسانی غذا کو لیتے ہیں جس کے متعلق موجودہ سائنس کہتی ہے کہ وہ پانچ اجزا سے مرکب ہے۔ (۱) پروٹین (اجزائے لحمیہ) (۲) کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ اور شکر کے اجزا) (۳) فیٹس (روغنی اجزا) (۴) سالٹس (نمکین اجزا) (۵) واٹر (پانی)

ہر صاحب عقل و فہم جانتا ہے کہ جو غذا کھائی جاتی ہے اس میں نشاستہ اور شکر کے اجزا زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ ان سے جسم انسانی میں انرجی (قوت غذائیہ) زیادہ پیدا ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت نشاستہ بھی شکر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جب تجربہ و مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ جسم میں شکریلے اجزا زیادہ ہوتے ہیں تو لازمی ہے کہ خون میں شیرینی کا غلبہ ہو مگر اس کے برعکس جب خون کو چکھا جائے تو اس کا ذائقہ نمکین ہوتا ہے۔ اس کی تطبیق یہ ہے :-

خون میں تین ضروری اجزا (۱) ترشی (۲) کھاری اور (۳) نمکین پائے جاتے ہیں ان حقائق سے جدید سائنس بھی انکار نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جب بھی خون کا کیمیاوی

امتحان کیا جائے تو اس میں کبھی ترشی کی زیادتی اور گاہے کھاری اجزا زیادہ پائے جاتے ہیں۔ لیکن صحت کی حالت میں جب ان کا اعتدال ہوگا تو خون کا ذائقہ نمکین ہوگا۔ سائنس کا ایک ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ایسڈ (ترشی)، اور الکلی (کھار) سے سالٹ (نمک) پیدا ہوتا ہے۔ یہی صورت انسانی خون کی بھی ہے کہ وہ ترشی اور کھار کا مرکب ہونے کی وجہ سے نمکین ہے۔ البتہ اس میں کھاری پن غالب ہے۔ اس حقیقت سے جہاں یہ انکشاف ہوتا ہے کہ خون کا اصل ذائقہ شیریں اور اس کے مرکب کا نمکین ہے وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ خون میں صفرا کے علاوہ سودا بھی ہے جس کا ذائقہ ترش ہے اور یہی ترشی صفرا کی تلخی اور خون کی شیرینی سے مل کر تمام مرکب کا ذائقہ نمکین بنا دیتی ہے۔ تجربہ و مشاہدہ اس پر گواہ ہے کہ اگر ہم ترشی اور شیرینی کو ملائیں اور اس میں ضرورت کے مطابق تلخی شامل کر لیں تو اس مرکب کا ذائقہ نمکین بن جائے گا۔ یہاں اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ بلغم (جو خون کی بنیاد ہے) کے متعلق یہ امر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کے ذائقے صفرا اور سودا کی آمیزش سے بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی نمکین، کبھی شور اور کبھی بے مزہ۔ پھر یہی بلغم جب خون میں تبدیل ہوتی ہے تو اس میں وہی ذائقے قائم رہتے ہیں۔ طبعی بلغم کا ذائقہ ہمیشہ شیریں ہوتا ہے۔ جو در اصل بنیاد خون ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایلوپیتھی کا رجوع ایک نئے میدان کی طرف تھا اس لئے جب بھی کسی یونانی مسئلہ کو اپنے نظریہ کے خلاف پایا بلا تحقیق و تدقیق اس کو رد کر دیا۔ سہل پسند معالج اس کو تسلیم کرتے گئے اور حکومت سرپرستی کرتی گئی اور تمام ممالک میں وہی تسلیم کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ آج ایلوپیتھی کے کسی نظریہ کو جھٹلانا اور اس کی کسی بات کو غلط قرار دینا ایک کار عظیم بن گیا ہے لیکن بہت جلد دنیا ایلوپیتھی کے غیر علمی ہونے کو تسلیم کر لے گی۔



(۲) بلغم کے متعلق یہ اعتراض کس قدر غلط ہے کہ وہ دماغ اور اعصاب جیسے اعضا کی غذا نہیں بنتا۔ ان عقلمندوں سے کوئی پوچھے کہ جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ خون جو تقریباً چودہ عناصر سے مرکب ہے اس کا ہر عنصر جسم کے کسی نہ کسی عضو کی غذا بنتا ہے مثلاً کیلشیم (چونا) اور فیرم (فولاد) کا زیادہ حصہ عضلات کی غذا میں صرف ہوتا ہے۔ آیوڈم، سلفر (گندھک)، اور سالٹس (نمکیات) کا اکثر حصہ جگر اور دیگر غدد اور اسی طرح پوٹاشیم، میگنیشیم اور فاسفیٹ کا زیادہ حصہ دماغ اور اعصاب کی غذا کے لئے مخصوص ہے تو پھر طب یونانی کے اس نظریہ پر کیوں اعتراض ہے کہ بلغم تر ہونے کی وجہ سے اعصاب اور دماغ کی غذا بنتا ہے۔ اگر اس طرح یقین نہ آئے تو بلغم کا کیمیاوی تجزیہ کر لیں اس میں وہی اجزا پائے جائیں گے جن کو آپ دماغ اور اعصاب کی غذا تسلیم کرتے ہیں

اسی پر بس نہیں۔ غذا کے متعلق بھی سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ پروٹین زیادہ تر دل اور عضلات کی غذا ہیں۔ فیٹس جگر اور دیگر غدد اور گلیسرین (جو زیادہ تر شکر و نشاستہ (کاربوہائیڈریٹس) سے تیار ہوتی ہے) دماغ اور اعصاب کی غذا میں خرچ ہوتی ہے اب صاحب فہم سمجھ سکتا ہے کہ یہ اعتراض کس قدر بودا ہے کہ بلغم دماغ اور اعصاب کی غذا میں صرف نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی صرف خون ہی سے غذا حاصل کرتے ہیں۔

(۳) صفرا کے متعلق بھی یہی اعتراض ہے کہ وہ پھیپھڑے وغیرہ کبھی خاص حصہ کی غذا نہیں بنتا بلکہ تمام بدن کا تغذیہ محض خون سے ہوتا ہے۔ اس کے لئے اوپر والے جواب کو پھر ملاحظہ کریں کہ جسم کے مختلف اعضا کو خون کے مختلف عناصر کس طرح غذا پہنچاتے ہیں پھر اس امر پر غور کریں کہ پھیپھڑے ایسے اعضا ہیں جن کا کام خون میں زبردست انقلاب پیدا کرنا ہے جس سے خون کے اندر دو ہواؤں نسیم (آکسیجن گیس) اور دخان (کاربانک گیس) کا ملاپ اور تبدیلی (ٹرانس مشن) ہوتی ہے۔

اس لئے پھیپھڑوں کے جسم کو سخت اور خشک بنایا گیا ہے تاکہ اس کی نالیوں میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ جب پھیپھڑوں پر سردی اور تری کا اثر ہوتا ہے تو وہاں پر بلغم و ریشہ اور رطوبات پیدا ہو جاتی ہیں اور اس سے ہوا کی نالیوں کے راستے تنگ اور بعض اوقات تقریباً بند ہو جاتے ہیں جس سے سانس میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ پھیپھڑوں میں گرمی خشکی کا غلبہ رہے اور یہ مقصد ایسے عناصر سے حاصل ہوتا ہے جن میں سلفر (گندھک) کی زیادتی ہو یا دوسرے معنوں میں ان کی غذا ایسے خون سے ہو جس میں صفرا کے اجزا غالب ہوں اور عقل بھی اس کو تسلیم کرتی ہے اگر مزید تجربات کی ضرورت ہو تو کسی ایسے شخص کو جس کی صحت بالکل صحیح ہو اس کو سرد تر اغذیہ و اشیاء مثلاً مولی، گاجر یا کھیرا ککڑی وغیرہ استعمال کرائیں۔ سردیوں میں تو صرف چند بار سرد پانی پلا دینے سے فوراً تجربہ ہو جائے گا۔ اول تو سردی کی زیادتی سے نمونیا ہو جائے گا نہیں تو نزلہ ضرور پھیپھڑوں پر گرنا شروع ہو جائے گا جس سے ہوا کی نالی میں بلغم اور رطوبت رک کر سانس میں رکاوٹ کا باعث ہوگی۔

پھیپھڑوں میں جب کھانسی کا مرض ہوتا ہے تو یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ ان میں سردی خشکی سے سوزش پیدا ہو گئی ہے یا سردی تری سے بلغم پیدا ہو کر ہوا کی نالیوں میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے اور کھانسی کا عمل اس تکلیف کے اظہار اور رفع کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب گرم خشک اغذیہ یا ادویہ استعمال کرائی جاتی ہیں تو بلغم خشک ہو جاتا ہے اور اگر سوزش ہو تو رفع ہو کر کھانسی رک جاتی ہے۔

تیسرے یہ ایک قانونِ فطرت ہے کہ جس رنگ کی غذا کھائی جائے، مسلسل استعمال سے جسم کا رنگ بھی وہی ہو جاتا ہے۔ پھیپھڑوں کی غذا خون کے صفراوی اجزا ہیں جن کا رنگ سرخ زردی مائل ہے اس لئے قدرت نے ان کا رنگ بھی سرخ زردی مائل بنا دیا ہے۔ طوالت کے پیشِ نظر مزید دلائل ختم کئے جاتے ہیں۔



(۴) سوداء کے متعلق اعتراضات زیادہ ہیں اس لئے جوابات بھی زیادہ ہوں گے۔

(۱) اول تو فرنگی طب سودا کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتی۔ اس کے جواب میں اخلاط کی پیدائش کے متعلق ہمارا جواب دوبارہ مطالعہ کرلیں۔

(۲) بلغم اور سودا کی طرح یہاں بھی یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سودا کسی عضو کی غذا نہیں بنتا۔ اس کے متعلق بلغم اور سودا کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے بعد جاننا چاہئے کہ طب یونانی نے سودا کا رنگ سیاہی مائل، ذائقہ ترشی اور قوام گاڑھا بیان کیا ہے بس انہی تین علامات کو سامنے رکھ کر انہی سے ہم نہ صرف سودا کی حقیقت و اصلیت ثابت کریں گے بلکہ اس کے فوائد کو بھی بہ تشریح بیان کریں گے۔

یہاں یہ امر ذہن نشین کرلیں کہ طب یونانی کے مطابق سودا طحال کے مقام پر جمع ہوتا ہے پھر وہاں سے فمِ معدہ پر گرتا ہے جس سے بھوک پیدا ہوتی ہے۔ فرنگی طب ان سب چیزوں کو تسلیم نہیں کرتی البتہ یہ ضرور تسلیم کرتی ہے کہ معدہ میں ترشی ضرور گرتی ہے جو ان کی تحقیق کے مطابق معدہ کے اندر کی میوکس ممبرین (غشائے مخاطی) سے ترشح پاتی ہے اس سے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ غشائے مخاطی یا معدہ میں ترشی خون کے اندر ترشح پاتی ہے یا کسی اور مقام سے وہاں پر گرتی ہے۔ اگر خون سے ترشح پاتی ہے تو جیسا کہ فرنگی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ جسم کے ہر حصہ کو خون سے غذا ملتی ہے۔ یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ خون کے اندر ترشی بھی ہوتی ہے اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ (۱) جب خون میں ترشی بڑھ جاتی ہے تو اس میں کاربانک ایسڈ گیس کی زیادتی پائی جاتی ہے (۲) خون میں ترشی بڑھ جانے سے اس کا گاڑھا پن اور (۳) سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی علامات طب یونانی پیش کرتی ہے۔ اس سے سودا کا ثبوت حاصل ہو گیا۔

اگر ترشی غشائے مخاطی سے گرتی ہے اور خون سے ترشح نہیں پاتی تو پھر یہاں

کہاں سے آتی ہے اور وہاں کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اول تو طب فرنگی کے پاس کوئی جواب نہیں اور کچھ جواب ہو سکتا ہے تو غشائے مخاطی خود ترشی پیدا کرتی ہے بالکل اسی طرح جیسے جگر صفراء پیدا کرتا یا خون سے علیحدہ کرتا ہے اور گردے پیشاب پیدا کرتے یا خون سے اس کے اجزا جدا کرتے ہیں۔ اس جواب کے بعد بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خون میں ترشی ہوتی ہے اور غشائے مخاطی کے ذریعہ جدا کی جاتی ہے۔ اس سے بھی سودا کی حقیقت خون میں واضح ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ طحال ایک ایسی غدود ہے جس میں نالی وغیرہ نہیں لگی ہوئی یعنی وہ (DUCK LESS GLAND). وبے نالی کا غدود ہے اور اس کے افعال میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خون کے وہ اجزا جو جسم میں خرچ ہو جاتے ہیں یا وہ سرخ ذرات جن میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوتی ہے۔ ایسا خراب خون اور ٹوٹے ہوئے ذرات کیمیاوی طور پر (کسی نال کے ذریعہ نہیں) طحال میں جا کر پھر خون کی صحیح صورت اختیار کرتے ہیں۔ ہمیں اس امر کی صحت سے انکار نہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب (۱) طحال میں کوئی نالی نظر نہیں آتی اور اس میں خراب خون کا جانا اور وہاں سے درست شدہ خون کا واپس آنا تسلیم ہے تو یہ امر بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا خون اپنے اندر خاص قسم کے اجزا رکھتا ہے اور اس کی بناوٹ میں بالکل ایک خاص قسم کی شے پائی جاتی ہے جیسے جگر اور گردوں کے افعال کے بعد جب خون صاف ہوتا ہے تو ان کے خون میں بھی خاص قسم کے اوصاف پائے جاتے ہیں تجربہ اور مشاہدہ نے بتایا ہے کہ جگر میں صاف شدہ خون میں سرخی و حرارت (فیرم و سلفر اجزا کی زیادتی) اور گردوں میں صاف شدہ خون میں خشکی و برودت (پوٹاشیم و سوڈیم) کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح طحال سے صاف شدہ خون میں سیاہی و غلظت (کیلشیم اور ایوڈیم) پائے جاتے ہیں اور اس طرح خون کی کیمیاوی طور پر درستی و صفائی ہوتی



رہتی ہے۔ (۲) جب خون صاف ہوتا ہے تو اس کا ایک فضلہ بھی باقی رہ جاتا ہے جیسے جگر خون کو صاف کرنے کے بعد اس میں سے خراب قسم کے صفرا کو الگ کر کے پتہ کی طرف بھیج دیتا ہے۔ اسی طرح گردے پیشاب کو صاف کر کے اس میں سے پیشابی مواد (یوریک) جدا کر کے مثانہ کے راستے باہر نکال دیتے ہیں۔ بعینہٖ طحال جب خون کو صاف کرتی ہے یا خراب خون کو درست کرتی ہے تو پھر اس کا بھی ایک فضلہ بنتا ہے۔ آخر وہ کہاں جاتا ہے؟ کیا وہ طحال کے اندر ختم ہو جاتا ہے؟ یا کیمیاوی راستہ سے خون میں شریک ہوتا ہے۔ یا جسم کے کسی عضو یا حصہ پر گرتا ہے اور اس کو گرنا بھی چاہیئے۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اگر مسلمہ حقائق اور روزانہ کے تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ طحال میں صاف ہونے کے بعد جو خون دوران خون میں شریک ہوتا ہے اس میں خاص قسم کے اجزا شریک ہوتے ہیں جن کا خون میں شریک ہونا ضروری ہے ان سے بعض اعضائے جسم خصوصاً قلب اور عضلات کو تقویت پیدا ہوتی ہے اور جو کچھ فضلہ بچتا ہے وہ بھی طحال میں پڑا نہیں رہ جاتا بلکہ کیمیاوی طور پر جسم کے کسی حصہ یا عضو پر گرتا ہے۔ یہی چیز ہے جس کو طب یونانی سودا کہتی ہے جو طحال سے معدہ پر گرتا ہے جب اس حقیقت سے انکار نہیں کہ معدہ پر ترشی گرتی ہے اور پھر اس امر سے بھی انکار نہیں کہ طحال میں صاف شدہ خون کا فضلہ ہوتا ہے تو پھر وہ معدہ پر گرتا کس طرح ہے۔ اس ذریعہ (PROCE ‏پراسس) کو جان لینا سائنس کا کام ہے ہم اس کی حقیقت اپنی کتاب "منافع الاعضا" میں بیان کریں گے۔

## بھوک اور سودا

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ سودا کا وجود ہے اور وہ طحال میں جمع ہوتا ہے اور وہاں سے معدہ پر گرتا ہے باقی یہ امر کہ وہ بھوک لگاتا ہے یا بھوک کا تعلق اعصاب کے تحت ہے اس مسئلہ میں بھی فرنگی طب غلطی پر ہے اور اس سلسلہ میں ان کی تحقیقات نفی کے برابر ہیں۔ کیونکہ جہاں تک

مفرد اعضا کے افعال کا تعلق ہے فرنگی طب اور سائنس کی تحقیقات اس بارے میں نہ
۱۲۶
ہونے کے برابر ہیں اور اسی لئے انہوں نے فزیالوجی (منافع الاعضا) میں شرمناک غلطیاں کی
ہیں. مثلاً فرنگی طب یہ تو جانتی ہے کہ بھوک کا احساس اعصاب سے ہوتا ہے۔ طب یونانی
میں بھی یہ ایک مسلمہ امر ہے اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اس امر کا قطعاً علم نہیں ہے کہ
جب اعصاب کسی بات کا احساس کرتے ہیں تو دیگر مفرد اعضا کی اس وقت کیا حالت
ہوتی ہے کہ وہ بھی اس کے فعل میں شریک ہوتے ہیں مثلاً بھوک لگنے کا فعل بھی ایک عصبی
احساس ہے کسی کو اس سے انکار نہیں بلکہ بدن کے جملہ احساسات کا تعلق اعصاب ہی
سے ہے لیکن یہ جاننا چاہئے کہ جب اعصاب اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں تو اس وقت
نہ ان پر رطوبات کی زیادتی ہوتی ہے جو سردی کے بڑھ جانے کا نتیجہ ہے اور نہ خون کی زیادتی
جو گرمی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے معنوں میں یوں سمجھ لیں کہ دوران خون کی اگر اعصاب
کی طرف کمی ہو جائے تو وہاں پر حرارت کم ہو کر سردی کی وجہ سے رطوبات زیادہ ہو جائیں گی
اور اسی طرح اس طرف دوران خون کی زیادتی سے حرارت کی کثرت ہو جائے گی اور دونوں
صورتوں میں اعصاب کے افعال صحیح حالت میں نہیں رہیں گے اول صورت میں جسم کے اندر پوٹاشیم
سوڈیم، میگنیشیم، ہائیڈروجن گیس اور الکلی کی زیادتی ہو جائے گی۔ دوسری صورت میں سلفر، فیرم
کیلشیم بڑھ جائے گا اور اس کا آکسیجن اور نمک کی زیادتی ہو جائے گی جب اعصاب
کے افعال صحیح حالت میں نہیں ہونگے تو پھر انکا احساس بھی چاہے بھوک کے لئے ہو یا عصبی
صحیح طور پر نہ ہوگا۔ اس امر کیلئے لازمی ہے کہ اعصاب اپنی صحیح حالت پر ہوں۔ اعصاب اپنی صحیح حالت
پر اسی وقت رہ سکتے ہیں جب دل کا فعل صحیح ہو اور وہ صحیح طور پر اپنا خون اعصاب کی طرف روانہ کر
رہا ہو اور کیمیاوی طور پر خون کے عناصر درست ہوں، دل کا فعل اسی صورت میں درست حالت میں قائم
رہتا ہے کہ جب اسکے عضلات میں انقباض و انبساط اعتدال پر رہے اور یہ جاننا چاہئے کہ دل کا انقباض
خون کی اس ترشی پر قائم رہتا ہے جو عضلات پر ترشح پاتی ہے اور خون میں شریک ہوتی ہے چونکہ معدہ

کا تعلق غذا کے ساتھ ہے اسلئے جب معدہ کے عضلات پر ترشی کا اثر ہوتا ہے تو ان میں انقباض
پیدا ہوتا ہے جس سے اعصاب کی طرف سے رطوبات جذب ہو جاتی ہیں اور اعصاب میں تناؤ اور
سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان کے درمیان برقی رو (ELECTRICITY) تیزی سے گزرنا شروع کر دیتی
ہے اور اعصاب کے فعل میں احساس کی تیزی بڑھ جاتی ہے۔ [127]

ان حقائق سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ترشی عضلات معدہ پر گر کر بھوک لگاتی ہے ورنہ یہ امر
بھی سامنے آجاتا ہے کہ بھوک لگنے میں صرف اعصاب کو دخل نہیں ہے بلکہ اس میں عضلات اور غشائے
مخاطی بھی برابر کی شریک ہیں۔ اس ترشی اس امر کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فرنگی طب کی تحقیقات
کس حد تک غیر علمی اور اس کا علاج مریضوں کیلئے کتنا نقصان رساں ہے۔

بھوک لگنے میں ترشی کو جو دخل ہے وہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ ہمارا
روزانہ کا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ ترش اشیاء اور اغذیہ کھانے سے فوراً بھوک لگ جاتی ہے اس
لئے قدرت نے (۱) پھلوں میں اکثر ترشی کا حصہ غالب رکھا ہے (۲) اور پھر جو اغذیہ و اشربہ
کچھ دن پڑی رہیں، ان میں ترشی پیدا ہو جاتی ہے (۳) گویا ترشی خمیر کی پیداوار ہے (۴) خمیر اپنے
اندر طاقت رکھتا ہے (۵) اسی خمیر سے الکحل پیدا ہوتی ہے جس سے پنسلین تیار کی جاتی ہے جس
کی طاقت و حرارت ایک مسلمہ امر ہے (۶) یہی خمیر ہے جس سے سرکہ تیار ہوتا ہے جو انتہائی
مقوی اور اشتہا آور معدہ ہے (۷) آخر میں یہ حقیقت بھی سن لیں کہ یہی خمیر ہے جس سے
شراب تیار کی جاتی ہے جس کی گرمی اور فوری طاقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مندرجہ بالا
تمام اشیاء میں ترشی کا اثر داخلی ہے اور سب کی سب انتہائی بھوک لگاتی ہیں۔ ان
حقائق کے بعد بھی اگر فرنگی طب کے معالج اور سائنس دان اپنی آنکھیں بند کر لیں تو
پھر اس کو کور ذوقی اور تعصب کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے ورنہ ان کی موجودگی میں
کوئی اہل علم و عقل سودا اور اس کے افعال سے انکار نہیں کرے گا۔

---

# ۴- اعضاء

اعضائے جسم انسان کا علم فنِ علاج میں اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ کیونکہ علاج کا تعلق انہی کے ساتھ ہے۔ اگر اعضا کا صحیح تصور، ان کی ماہیت اور حقیقی مقام کا علم نہ ہو تو یقین کے ساتھ علاج کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کی مثال بالکل ایک مشین کی ہے جس کے تمام پرزوں اور ان کے افعال و مقام کا علم اس کے چلانے والے کو ہونا لازمی ہے ورنہ اول تو وہ اس کو چلا نہیں سکتا اور چلا بھی لے تو بگڑنے کی صورت میں درست نہیں کر سکتا۔

فرنگی طب کا دعویٰ ہے کہ اس کو نہ صرف اعضائے انسان کا پہلے اور قدیم طریقہ ہائے علاج سے زیادہ بلکہ صحیح اور حقیقی علم ہے۔ کیونکہ اس تحقیق میں سائنس نے بھی اس کی بہت مدد کی ہے اور مسلسل تجربات و مشاہدات اور قیمتی آلات کی مدد سے یہ علم حاصل کیا گیا ہے مگر ہم اس باب میں واضح کریں گے کہ اس باب میں بھی ان سے کس قدر فاش غلطیاں ہوئی ہیں اور خصوصاً منافع الاعضا میں انہوں نے کیسی کیسی غلط بازیاں لگائی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جہاں تک اعضا کے باہمی تعلق کی صورت ہے اس میں فرنگی طب کی تحقیقات صفر کے برابر ہیں۔ مثلاً اعضائے رئیسہ اور خادم الرئیسہ کے افعال کا باہمی تطابق، مفرد اور مرکب اعضا کا تعلق اور خاص طور پر یہ کہ مرکب اعضا اپنے افعال کس طرح انجام دیتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ دورانِ خون کا مختلف اعضا پر کیا اثر ہوتا ہے مثلاً اگر دورانِ خون کی تیزی اعضائے رئیسہ میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ تیز ہو تو باقی دو کی اس وقت کیا حالت اور کیفیت ہوتی ہے۔ اس قسم کے اور کئی حقائق ہیں جن کا تعلق انسان کے جسم، صحت، بقائے حیات اور بقائے نسل کے ساتھ ہے۔ مگر فرنگی طب ان مسائل میں تقریباً خاموش ہے۔ ہم ان سب مسائل پر نہ صرف تفصیلی بحث کریں گے بلکہ یورپی طب کی غلطیاں واضح کرتے جائیں گے۔

## پیدائشِ اعضا

شیخ الرئیس لکھتے ہیں ”وھی اجسامٌ متوالدۃ من اول مزاج الاخلاط کما ان الاخلاط اجسامٌ متولدۃ من اول مزاج الارکان“ (اعضا وہ اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ اخلاط ایسے اجسام ہیں جو ارکان کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں) جاننا چاہئے کہ ارکان کی ابتدائی ترکیب سے نباتات اور حیوانات بنتے ہیں جن کے کھانے سے پہلے پہل بدنِ انسان میں اخلاط پیدا ہوتے ہیں۔ انہی اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے جو رطوبت بنتی ہے اس سے اعضا ظہور میں آتے ہیں۔ اس رطوبت کا نام ”رطوبتِ ثانیہ“ رکھا گیا ہے۔

فرنگی طب میں چونکہ ارکان، مزاج اور اخلاط کی دقیق و نازک مباحث کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے اس میں انسان کی پیدائش کو مرد و عورت کے نطفہ سے شروع کیا ہے اور اس میں اپنی دقیق و نازک تحقیقات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً مرد کی منی میں کرم ہوتے ہیں اور عورت کی منی میں بیضے اور جب مرد کی منی عورت کے رحم میں داخل ہوتی ہے تو مرد کے کرم منی بیضہ انثیٰ کے قریب جا کر اس کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کے اندر بہت سی تبدیلیاں ہوتی ہیں اور پھر دونوں یک جان ہو کر بڑھنے لگتے ہیں اور جب وہ بڑھ کر خوشۂ شہتوت کے برابر ہو جاتا ہے تو پھر چار حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ تقسیم چار پردوں کی صورت میں ہوتی ہے۔ جن کو فرنگی طب نے ٹشوز کا نام دیا ہے۔ جن کو انسجہ کہنا چاہئے۔ چونکہ ان کی بناوٹ بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے بافندہ کا کپڑا بنا ہوتا ہے اس لئے ان کو بافت بھی کہتے ہیں۔

## حیوانی ذرّہ

ان ٹشوز (انسجہ) کے متعلق فرنگی طب لکھتی ہے کہ ان کی بناوٹ و بافت اور ترتیب و ترکیب سیل (CELL) کے مجموعوں سے ہوتی ہے۔ جس کو ہم ”خلیہ“ کہتے ہیں۔ گویا خلیہ انسانی جسم کا ایک ابتدائی ذرّہ ہے۔ چونکہ اس میں

ایک جداگانہ زندگی اور اس کے افعال تسلیم کئے گئے ہیں۔ اس لئے اس کو حیوانی ذرہ بھی کہتے ہیں یعنی تمام جسم انسانی انہی حیوانی ذروں سے ترتیب و ترکیب پاتا ہے جن کی تفصیل کتب میں بھری پڑی ہیں۔ آج کل یہ بالکل جدا ایک فن بن گیا ہے۔ جس طرح علم الجراثیم بھی ایک فن بن گیا ہے۔

**انسجہ کی تقسیم** | فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے اپنی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ ان خلیات (حیوانی ذروں) کے جسم انسانی میں چار قسم کے مجموعے ہیں۔ جن کو ٹشوز (انسجہ اور بافت) کہا جاتا ہے۔ یہی چار اقسام کے ٹشوز (انسجہ) انسان کے اعضا اور جسم بناتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ ایک خاص قسم کی ساخت اور بافت بنتی ہے ان کی ایک خاص قسم کی ساخت اور بافت کو "نسیج" کہتے ہیں جن کی جمع "انسجہ" ہے۔ یہ انسجہ ہی اعضا بناتے ہیں۔ ان انسجہ یا اعضائے جسم کے افعال و فوائد وہی ہیں جو ان خلیات کے ہیں جن کے وہ مجموعے ہیں۔ انہی انسجہ کو انگریزی میں "ٹشوز" کہتے ہیں۔ یہی انسجہ، ٹشوز یعنی خلیات کے مجموعے کی ساختیں اور بافتیں دراصل جسم کے مفرد اعضا ہیں۔

**اقسام انسجہ** | یہ انسجہ (ٹشوز) چار قسم کے ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں (۱) نسیج لحمی (مسکولر ٹشوز) اس سے عضلات الحم۔ گوشت (جسم تیار ہوتے ہیں (۲) نسیج عصبی (نروس ٹشوز) ان سے اعصاب جسم تیار ہوتے ہیں (۳) نسیج قشری (اپی تھیل ٹشوز) ان سے جھلیاں اور غدد (گلٹیاں) بنتے ہیں (۴) نسیج الحاقی (کنکٹو ٹشوز) ان سے باقی تمام جسم کی بھرتی ہوتی ہے جیسے ہڈی و رباط اور وتر وغیرہ۔

ان تمام انسجہ سے بعض اعضا صرف ایک ہی قسم کی ساخت کے بنتے ہیں۔ جیسے اعصاب و عضلات اور غدد۔ اسی طرح ہڈی و رباط اور وتر کی بافت تیار ہوتی ہے لیکن یہ مفرد اعضا بعض مقامات پر آپس میں ایک دوسرے سے باہم جڑے اور ملے ہوتے ہیں۔ اور بعض اعضا کی ساخت اور بافت میں مختلف اقسام کے انسجہ شریک ہوتے



ہیں جیسے جلد و جھلیاں اور عروق وغیرہ۔ فرنگی طب میں اس کو علم انسجہ (ہسٹالوجی) کہتے ہیں۔ لیکن وہ ان کی فزیالوجی (منافع الاعضا) سے واقف نہیں ہیں جن پر ہم نظریہ مفرد اعضا کے تحت روشنی ڈالیں گے اور ثابت کریں گے کہ وہ ان کی تخلیق و ماہیت اور افعال و تعلق باہم کیا ہیں اور پھر غلط ثابت کرنے والوں کو چیلنج کرتے ہیں۔

فرنگی طب کو ناز ہے کہ اس نے تشریح الابدان (اناٹومی) اور منافع الاعضا (فزیالوجی) میں بہت لمبی چوڑی تحقیقات کی ہے۔ ظاہر میں بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ تحقیق تو ضرور کرتی رہی ہے مگر وہ غلط راستہ پر چلتی رہی ہے جیسے کعبہ کی طرف جانے والا ترکستان کے پرکشش راستہ کو اختیار کرے، وہ چلتا تو ضرور گیا ہے مگر منزل مقصود سے بہت دور جا پڑا ہے۔ پھر آنے والی نسلوں نے ترکستان کو ہی منزل مقصود قرار دے دیا ہے یہی حال فرنگی طب کی تحقیق کا ہے۔

فرنگی طب کو سب سے زیادہ ناز سیل و ٹشو (خلیہ و نسیج) کی ریسرچ (تحقیق) پر ہے لیکن اگر وہ بغور طب قدیم کا مطالعہ کرتی تو اس میں اس سے بہتر صورتیں نظر آ جاتیں اور تحقیقات میں ایک سیدھا راستہ بھی ہاتھ آ جاتا۔ یہ امر ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ منزل تحقیقات کے لئے صراط المستقیم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلام نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ اسی کو انگریزی میں لائن آف ایکشن (LINE OF ACTION) کہتے ہیں۔ اور یہی فطری طریق تحقیق ہے۔

سیل (حیوانی ذرہ۔ خلیہ) پر اگر غور کریں تو تحقیق کا یہ ایک راز معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیوانی ذرہ جوہر اور مادہ کی ابتدائی صورت ہے۔ جن کے ذہن میں ہماری جوہر مادہ اور صورت کی بحث محفوظ ہے وہ خود اندازہ لگا لیں گے کہ حیوانی ذرہ (سیل) جوہر و مادہ کی ابتدائی صورت ہے جو مفرد اعضا (انسجہ) کی درمیانی حالت ہے جس کو خوردبین کی آنکھ نے دیکھا ہے۔ لیکن طب قدیم نے حیوانی ذرہ سے پہلی حالتیں جوہر اور مادہ کو بڑی

خوبصورتی سے بیان کر دیا ہے۔ شیخ الرئیس کے الفاظ پر غور کریں کہ وہ پیدائش اعضا پر لکھتے ہیں کہ "اعضاء وہ اجسام ہیں جو اخلاط کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں"۔ جس کی مثال بھی بیان کر دی "جیسا کہ اخلاط ایسے اجسام ہیں جو ارکان کی ابتدائی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں"۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مادہ اور صورت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ صورت (حیوانی ذرہ اور نسیج) اور مفرد اعضاء جو صرف آنکھ سے نظر آ سکتے ہیں ان کی ماہیت اور عمل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی ان میں فرق پیدا کر دے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں۔ گویا شیخ الرئیس نے جوہر و مادہ اور صورت تک سب کچھ بیان کر دیا ہے۔

غور کریں کہ طب قدیم چار اخلاط تسلیم کرتی ہے اور ہر خلط اپنا ایک الگ مزاج اور عمل رکھتی ہے اور فرنگی طب چار اقسام کے انسجہ (ٹشوز) بیان کرتی ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ ہر قسم کے انسجہ میں طب قدیم کی ایک خلط پائی جاتی ہے اور اسی سے وہ غذا اور زندگی حاصل کرتی ہے۔ تطبیق یوں ہے (۱) اعصابی انسجہ میں بلغم (۲) عضلاتی انسجہ میں خون (۳) کبدی انسجہ میں صفرا اور (۴) طحالی انسجہ میں سودا کے محلول پائے جاتے ہیں جو ان کی غذا اور عامل (ٹری ٹمینٹ) ہیں اور جب انہی محلولات میں انسجہ (مفرد اعضاء) کے اندر جب خمیر پیدا ہوتا ہے تو وہاں پر ان کے خاص قسم کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہماری تحقیق سے یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جراثیم بھی ابتدائی طور پر تین قسم کے ہیں (۱) جراثیم عصوی (بیسی لائی) ڈنڈا نما۔ جہاں پر اعصابی ہیں وہاں پر غیر طبعی بلغم پیدا کرتے ہیں بلغم کے جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں۔ ان کے اقسام جراثیم سے تطبیق پاتے ہیں (۲) جراثیم کرویہ (کاکائی) گیند نما۔ جہاں پر کبدی ہیں وہاں پر غیر طبعی صفرا پیدا کرتے ہیں صفرا کے جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں ان کے اقسام کو جراثیم سے تطبیق دے دیں (۳) جراثیم حلزونیہ (ویریو) گھونگھ نما۔ جہاں پر عضلاتی ہیں وہاں پر غیر طبعی سودا پیدا کرتے ہیں سودا کی جس قدر غیر طبعی اقسام ہیں ان کے اقسام جراثیم سے تطبیق پا جاتے ہیں۔ یہ سب

کچھ انتہائی اختصار سے بیان کیا گیا ہے اس کی تفصیل ہم اپنے رسائل میں بیان کر چکے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ فرنگی طب نے تین قسم کے انسجہ (۱) اعصابی (۲) عضلاتی (۳) غدی کو حیاتی تسلیم کیا ہے۔ مگر الحاقی کو ادنیٰ قسم مانا ہے۔ اسی طرح طب یونانی نے بھی سوداء کو گھٹیا خلط کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایورویدک نے تین دوکش (وات پت۔ کف) مانے ہیں۔ چوتھے خون (رکت) کو الگ کر دیا ہے۔ ہم نے طب قدیم اور ایورویدک کو ماڈرن سائنس کے ساتھ تطبیق دیتے ہوئے صرف تین ہی انسجہ کو حیاتی اور فعلی تسلیم کیا ہے۔ تاکہ دنیا کی کوئی طبی تحقیق ہماری اس تحقیق سے انکار نہ کر سکے۔ یہ ہماری تحقیق و تجدید علم و فن جو صرف خداوند علیم و کریم کے فضل و کرم سے ہمیں نوازی گئی ہے۔ کیا طبی دنیا میں کوئی ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ ایک نیا فلسفہ اور نئی حقیقت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اپنی تمام تحقیقات میں جوہر اور روح کو نظر انداز کر دیتی ہے اور مادہ اور جسم کو اپنے سامنے رکھتی ہے جس کی وجہ سے وہ حقیقت اور صدق سے بہت دور نکل جاتی ہے چونکہ اس کی تحقیق کی بنیاد نہیں ہوتی۔ اس لئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور سر پٹختی ہے پھر نئی راہیں تلاش کرتی ہے۔ ہم اسلام کی بات نہیں کرتے اس کی تو بنیاد ہی ایمان بالغیب ہے جہاں سے وہ جوہر و روح پیدا کئے ہیں جن سے یہ مادہ اور جسم بنتے ہیں ہم عیسائیت کی بات کرتے ہیں جس کو فرنگی قوم اختیار کئے ہوئے ہے جس میں مادیت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ گویا ایک بغیر روح لاشہ اٹھائے پھرتے ہیں جس سے دماغ کو تسکین ہے اور نہ ہی دل کو اطمینان ہے۔

## فرنگی طب میں تقسیم اعضاء

فرنگی طب نے اعضاء میں حیات و قوت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیہ ایک البا حیوانی

ذرہ ہے جس کو انسانی جسم کی ایک ایسی اینٹ کہنا چاہئے جس کے مرکز میں جوہر حیات ہے جس کی وجہ سے اس میں طبعی و عضوی اور کیمیاوی و حیاتی افعال مکمل طور پر پورے ہوتے ہیں۔ یعنی تغذیہ و تنمیہ اور تصفیہ و تنسیم کے اعمال کے ساتھ اس میں نشوو ارتقار اور تولد و تناسل کی قوت ہوتی ہے۔ یعنی زندہ رہتا ہے۔ غذا حاصل کرتا ہے۔ بڑھتا ہے اپنے فضلات خارج کرتا ہے۔ نسیم جذب کرتا ہے۔ بڑھ کر اپنے کمال تک پہنچتا ہے اور اپنی مثل پیدا کرتا ہے۔ دیگر الفاظ میں اس طرح سمجھ لیں کہ زندگی کے تمام لوازم حیات (قوت و حرارت اور رطوبت) اس میں پائے جاتے ہیں۔ اور ضرورت کے مطابق بڑھتے گھٹتے رہتے ہیں۔ اس لئے غلیہ کو حیوانی ذرہ کہتے ہیں اور انسان انہی حیوانی ذروں کے مجموعوں (انسجہ) سے مرکب ہے۔

## غلیہ کی ماہیت

غلیہ کو کیسہ (سیل) بھی کہتے ہیں۔ یہ انتہائی چھوٹا سا ذرہ ہوتا ہے۔ یہ جسامت کے لحاظ سے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ بعض غلیے اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں جو بغیر خوردبین کے نظر نہیں آسکتے ان غلیات کی جسامت کا اندازہ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ ایک انچ لمبی قطار میں ایک سو سے لے کر چھ ہزار (ہے سے ہے) تک آجاتے ہیں۔ یہی غلیات جب باہم مل جاتے ہیں تو نسیج (ٹشو) بناتے ہیں۔ غلیہ کی ساخت کو کم از کم چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (۱) غلیہ کی جھلی (۲) مادہ حیات (۳) جوہر حیات (۴) مرکز حیات۔ جن کی کلی ماہیت اور ان سے تیار ہونے والے انسجہ و اعضاء مفردہ و مرکبہ کی تفصیلات کتب طبیہ و تشریح اور منافع الاعضاء میں بھری پڑی ہیں۔ لیکن ان میں انسجہ (مفرد اعضاء) کی انفرادی ماہیت و افعال اور باہمی تعلقات کا کہیں ذکر نہیں آتا سب سے بڑا نقص یہ رہا ہے کہ ماہیت امراض (پیتھالوجی) میں امراض کو مرکب اعضاء کی خرابی اور بگاڑ کو تسلیم کیا ہے۔ چاہے ان کا سبب جراثیم ہوں یا کیمیاوی تغیرات بہر حال ماہیت امراض میں انسجہ (مفرد اعضاء) کو کہیں دخل نہیں ہے۔ ان کے برعکس طب قدیم نے ان مفردات کی پیدائش سے قبل ہی مادہ کے تغیر کو ہی ماہیت مرض تسلیم کر لیا ہے اس طرح کیمیاوی تغیرات اور جراثیم کی پیدائش سے قبل ہی امراض کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ یہی فطرتی کمال ہے۔

## طب قدیم میں تقسیم اعضاء

شیخ الرئیس اعضاء کو اخلاط کی ابتدائی ترکیب از رطوبت ثانیہ سے پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وھی تنقسم الی رئیسۃ و غیر رئیسہ والتی لیست برئیسۃ تنقسم الی خادمۃ الرئیسۃ والی غیر خادمۃ الرئیسۃ والتی لیست بخادمۃ الرئیسۃ تنقسم الی مروسۃ والی غیر مروسۃ" (اعضا کی دو قسمیں ہیں (۱) رئیسہ (۲) غیر رئیسہ۔ پھر جو اعضائے رئیسہ نہیں ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) خادم رئیس (۲) غیر خادم رئیس۔ اور پھر غیر خادم رئیس کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) مروسہ (۲) غیر مروسہ) ان سب کی تعریفیں ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

شیخ الرئیس لکھتے ہیں۔" اما الاعضا الرئیسۃ فھی التی تکون مبادی للقوی محتاجًا الیھا فی بقاء الشخص او النوع۔ اما بحسب البقا الشخص فثلثۃ۔ القلب وھو مبدا قوۃ الحیوۃ۔ والدماغ وھو مبدا قوۃ الحس والحرکۃ۔ والکبد وھو مبدا قوۃ التغذیہ۔ و اما بحسب بقاء النوع فھذہ الثلثۃ مع رابع وھو الانثیان"۔ (اعضائے رئیسہ وہ اعضا ہیں جو قوتوں کے مبادی (سرچشمہ) ہیں (یعنی قوتیں انہی سے پیدا ہوتی ہیں) اور بقائے شخص یا النسل کے لئے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے بقائے شخص کے لئے اعضائے رئیسہ ہیں (۱) قلب جو قوت حیوانیہ کا مبدا اور سرچشمہ ہے (۲) دماغ جو قوت حس و حرکت کا مبدا اور سرچشمہ ہے (۳) جگر جو قوت تغذیہ کا مبدا اور سرچشمہ ہے۔ لیکن بقائے نسل کے لئے تین تو یہی ہیں اور ان کے

ساتھ چوتھے انثیین ہیں) قابل غور بات یہ ہے کہ طب قدیم نے اعضائے جسم کو شخصی طور پر تین صورتوں میں اور نسلی طور پر چار صورتوں میں نہ صرف تقسیم کر دیا ہے بلکہ ان کے جدا جدا ابتدائی افعال بھی بیان کر دیئے ہیں اور یہی افعال ان کے کیمیاوی مواد (اخلاط) کے بھی ہیں جن سے نہ صرف یہ اعضا تیار ہوتے ہیں بلکہ انہی سے ان کا تغذیہ بھی ہوتا ہے۔

## خلیات کے افعال و قویٰ سے ناواقف

طب قدیم نے جس خوبصورتی سے اعضائے رئیسہ کے افعال و قویٰ بیان کئے ہیں اور انہی کو انہوں نے مفرد اعضا بیان کیا ہے جن کی ہم آئندہ مکمل تشریح کریں گے۔ فرنگی طب نے اپنے مفرد اعضا (انسجہ) کے افعال و قویٰ کو اس طرح بیان نہیں کیا۔ اس نے نہ انسجہ کے افعال و قویٰ کی تشریح کی ہے اور نہ ہی ان کے باہمی تعلق کو ظاہر کیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی پیدائش اور تغذیہ جن کیمیاوی مواد سے ہوتا ہے ان کی تفصیل بیان نہیں کی۔ وہ تو ہر انسجہ بلکہ ہر عضو کی غذا صرف خون سے تسلیم کرتی ہے۔ جب وہ ان کے جداگانہ کیمیاوی مواد کا تجزیہ کرلے گی وہ فوراً اخلاط اور مزاج کو تسلیم کرلے گی۔ یہ وہ راز ہیں جن کو ابھی فرنگی طب کو اپنے خلیات (سیلز) اور علم الحیات (بائیولوجی) میں تحقیقات کرتے ہیں۔

یہ افعال و قوتیں جسم میں کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں ان کے متعلق باقی اعضا کی تعریفیں بیان کی جاتی ہیں۔

شیخ الرئیس لکھتے ہیں۔ ”اماخادمة الرئیسة فمثل الاعصاب الدماغ والشرائین القلب والاوردة الکبد وادعیه المنی الانثیین“۔ (اعضائے خادم الرئیس جیسے اعصاب دماغ کے لئے، شرائین قلب کے لئے، وریدیں جگر کے لئے اور ادعیہ منی انثیین کے لئے ہیں)

## فرنگی طب کا اعتراض

یہاں پر فرنگی طب کا اعتراض ہے کہ شریانوں کی طرح وریدوں کا مرکز بھی قلب ہے۔ وہ جگر سے نہیں نکلتیں بلکہ ان کا تعلق بھی قلب کے ساتھ ہے۔

## طب قدیم کا جواب

یہ ایک ایسا دقیق تحقیقاتی مسئلہ ہے جس سے فرنگی طب بے خبر ہے۔ اگرچہ علم الانسجہ اس کو پورے طور پر تسلیم کرتی ہے۔ ہم اس کی اس مشکل کو اپنی تحقیقات سے حل کرتے ہیں اور ان کی بے خبری کو دور کرتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ دماغ انسجہ اعصابی سے بنا ہوا ہے اور اس پر دو عدد پردے ہوتے ہیں۔ ایک پردہ غشائی جو انسجہ قشری سے بنا ہوا ہے اور دوسرا پردہ حجابی ہے جو انسجہ عضلاتی سے بنا ہوا ہے۔ اسی طرح قلب انسجہ عضلاتی سے بنا ہوا ہے اور اس پر بھی دو پردے ہیں۔ ایک پردہ غشائی ہے جو انسجہ قشری سے بنا ہوا ہے۔ دوسرا پردہ مخاطی ہے جو انسجہ اعصابی سے بنا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح جگر انسجہ قشری سے بنا ہوا ہے اور اس پر بھی دو پردے ہیں۔ ایک عضلاتی اور دوسرا اعصابی ہے۔ اس تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح دماغ اور اعصاب کے انسجہ کی ترتیب و بناوٹ ایک ہے اسی طرح قلب اور شرائین کی ترتیب و بناوٹ کی ایک ہی صورت ہے بالکل اسی طرح جگر اور وریدوں کی ترتیب و بناوٹ ہم شکل ہے۔ اسی لئے اعصاب و شرائین اور وریدیں اپنی خدمت سے دماغ و قلب اور جگر کے خادم ہیں۔ یہ وہ راز ہے جس سے آج تک فرنگی طب اور اس کی ماڈرن سائنس بے خبر ہے۔ کیا کوئی اس حقیقت کا جواب دے سکتا ہے۔

## فرنگی طب کا اعتراض

فرنگی طب کا ایک اعتراض یہ ہے کہ طب قدیم جو یہ تسلیم کرتی ہے کہ تمام اعضا کا تغذیہ وریدی خون سے ہوتا ہے جو جگر سے تمام بدن میں وریدوں کے ذریعہ پہنچتا ہے اور شریانی خون بالکل خرچ ہی نہیں ہوتا یا برائے نام خرچ ہوتا ہے۔ شریانوں کا کام

اپنی روح حیوانی کے ذریعہ اعضا میں قوت حیات پہنچاتا ہے۔ کیونکہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے تحقیق کیا ہے کہ تمام اعضا کا تغذیہ شریانی خون سے ہوتا ہے اور وریدوں کے خون سے اعضا کا بچا ہوا سیاہی مائل خون قلب کی طرف واپس آتا ہے تاکہ قلب پھیپھڑوں میں بھیج کر اسے دوبارہ صاف کر سکے۔ غرض شریانی خون برابر خرچ ہوتا رہتا ہے جس سے برابر اعضا کا تغذیہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اس میں قوت حیات بھی قائم رہتی ہے۔

## طب قدیم کا جواب

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ جو کیموس اور کیلوس غذا کے بعد تیار ہوتا ہے وہ جب تک جگر میں پختہ نہ ہو اس میں نہ حرارت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا رنگ شوخ سرخ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جگر کی بناوٹ النسجہ قشری سے ہوتی ہے۔ تیسرے یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ جسم کی اصل خوراک حرارت ہے۔ ان کے انہی تینوں حقائق کو سامنے رکھیں اور غور کریں کہ طب یونانی اپنے حقائق میں کہاں تک صحیح اور فرنگی طب اور اس کی ماڈرن سائنس کہاں تک غلط ہے

جاننا چاہیے کہ جو غذا معدہ میں ہضم ہو کر سیدھی دل میں جا کر خون میں شریک ہو جاتی ہے اس میں اس وقت تک حرارت اور سرخی پیدا نہیں ہوتی جب تک وہ وریدوں اور جگر میں پختہ ہو کر دوبارہ قلب میں داخل نہ ہو بالکل اسی طرح جیسے آنتوں کی غذا جب جگر میں جاتی ہے تو پختہ ہو کر اس کے اندر حرارت اور سرخی پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا خون میں حرارت اور سرخی پیدا ہونے کے لئے غذا کا جگر میں پختہ ہونا ضروری ہے۔ اوپر ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ شریانوں کی بناوٹ قلب کے مشابہ ہے اور وریدوں کی بناوٹ جگر کے مشابہ ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ شریانوں کا کام اور ہے اور وریدوں کا کام دیگر ہے۔ صرف یہی کام نہیں ہے کہ وہ شریانوں سے بچا ہوا وہ خون

جس میں سے نسیم (آکسیجن) نکل چکی ہے اور سیاہ ہو چکا ہے۔ اس کو واپس قلب میں پہنچا دے۔ بلکہ وریدوں کا کام یہ ہے کہ وہ شریانی خون میں سے نسیم کے ساتھ جو حرارت اور سرخی ختم ہو گئی ہے ان کو دوبارہ پیدا کرے۔ جب بھی خون وریدوں میں داخل ہوتا ہے تو اس کی بناوٹ کے لحاظ سے وہاں پر گردش سے حرارت اور سرخی پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر خون وریدوں سے نہ گزرے تو وہ پھیپھڑوں میں دوبارہ نسیم کو کبھی جذب نہ کرے۔ جن لوگوں کے سانس میں تنگی ہوتی ہے اور وہ منہ کھول کر سانس لیتے ہیں۔ ان کے خون میں وہ حرارت نہیں ہوتی جو وریدوں اور جگر میں پیدا ہوتی ہے۔

یاد رکھیں فرنگی طب کی یہ تحقیق بھی غلط ہے کہ پھیپھڑوں میں جب خون جاتا ہے وہ فوراً نسیم کو جذب کر لیتا ہے اور دوخان کو چھوڑ دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک خون وریدوں سے پورے طور پر حرارت حاصل نہ کرے اس وقت تک اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ نسیم کو جذب کر سکے۔ یاد رکھیں شریانوں کی بناوٹ میں جو النسجہ عضلاتی کی کثرت ہوتی ہے اس لئے وہ ایک تو نسیم کو دھکیلتی ہیں دوسرے اس کو اور پختہ کرتی ہیں اور جب نسیم کو خون میں سے خارج کر دیتی ہیں اور پھر اس خون میں سیاہی (کاربن) رہ جاتی ہے یہی سیاہی وریدوں میں حرارت سے پختہ ہو کر اپنے اندر سرخی اور نسیم حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ جسم کی اصل غذا حرارت ہے وہی نسیم کو جذب کرتی اور دوخان کو خارج کرتی ہے۔ یہی حرارت بلغم کو پختہ کر کے خون کو سرخ کرتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حرارت کی پیدائش جگر اور وریدوں میں ہوتی ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ تمام جسم کو غذا صرف جگر سے جاتی ہے۔ قلب اور شرائین تو صرف غذا پہنچانے والے اعضا اور آلات ہیں۔ اس کے مزید ثبوت کے لئے ہم مرض ذیابطیس

پیش کرتے ہیں۔ جسم میں غذا جگر میں پورے طور پر پختہ نہیں ہوتی تو طبیعت اس کو خون میں بھی قائم رکھتی ہے اور پیشاب میں بھی خارج ہوتی رہتی ہے۔ یاد رہے کہ جگر سے ہماری مراد جسم کے تمام غدد ہوتے ہیں جس میں لبلبہ اور گردے بھی شریک ہیں۔ جگر ان کا مرکز ہے جیسے دماغ اعصاب کے لئے اور قلب عضلات کے لئے مرکز ہیں۔ یہ ہیں طب یونانی میں ہماری تحقیقات جن کے فرنگی طب کے پاس نہ جواب ہیں اور نہ ہی وہ ان سے انکار کر سکتی ہے۔

## فرنگی طب کا اعتراض

فرنگی طب یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اعصاب کا تغذیہ براہ راست دماغ یا حرام مغز سے ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اعصاب کا تغذیہ دیگر اعضا کی طرح عروق دمویہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اعصاب کے اندر دوسرے اعضار کی طرح رگیں آتی ہیں۔

## طب قدیم کا جواب

ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ تمام اعضائے جسم کی قوت غاذیہ کا مرکز جگر ہے اور چونکہ نشو نمو بھی تغذیہ کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے قوت نامیہ کا مرکز بھی جگر ہے اور ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ جگر تمام جسم کے غدد کا مرکز ہے اور ہر غدود اپنی جگہ جگر کا کام کر رہا ہے۔ فرنگی طب بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ تمام اعضار کے اندر قدرتی طور پر قوت غاذیہ و نامیہ موجود ہوتی ہے جو شریانی خون کی دوامی آمد سے قائم رہتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ اعصاب کو بھی تغذیہ جگر ہی سے ہوتا ہے۔ جہاں تک طب قدیم یہ تسلیم کرتی ہے ان کا تغذیہ براہ راست دماغ یا حرام مغز سے ہوتا ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ اعصاب کی وہی غذا ہے جو دماغ اور حرام مغز کی ہے یعنی بلغم ہے۔ جس کو فرنگی طب اس طرح تسلیم کرتی ہے کہ دماغ و حرام مغز اور اعصاب کے غذا گلیسرو فاسفیٹس کے اجزار ہیں۔ یہی بلغم میں اجزار پائے جاتے ہیں۔ جس کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ



اطبا جب کسی انسان کے دماغ و حرام مغز اور اعصاب کو طاقت کے لئے کوئی دوا استعمال کراتے ہیں تو اس میں بادام اور دیگر مغزیات شامل ہوتے ہیں جن میں گلیسرو فاسفیٹ کے اجزا بکثرت پائے جاتے ہیں۔ فرنگی طب اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ ہر عضو جسم کے لئے مختلف غذا ہوتی ہے اور وہ خون سے اپنی ضرورت کی غذا جذب کرتا ہے۔ یہ طب قدیم کی تحقیق ہے جس سے فرنگی طب بالکل بے خبر ہے۔

## طب قدیم میں تقابا تقسیم اعضا

شیخ الرئیس لکھتے ہیں "واما الاعضاء المرؤسة بلاخلامة فہی الاعضاء التی تجری الیھا القوی من الاعضاء الرئیسة کالکلی والمعدة والطحال والرئیسة و اما الاعضاء التی لیست بخادمة ولا مرؤسة وھی الاعضاء التی تختص بقوی غریزیة لھا ولا تجری الیھا من الاعضاء الرئیسة قوی اُخر کالعظام والغضاریف"۔ (اعضائے مرؤسہ جو اعضائے رئیسہ کے خادم نہیں ہیں وہ اعضاء ہیں جن کی طرف اعضائے رئیسہ سے قوتیں پہنچتی ہیں۔ مثلاً گردہ، معدہ، طحال، پھیپھڑا۔ البتہ جو اعضار نہ تو خادم رئیس ہیں اور نہ ہی مرؤسہ ہیں۔ یہ وہ اعضاء ہیں جن میں قوت غریزہ موجود ہے اور ان کی طرف اعضائے رئیسہ سے کوئی دوسری قوت نہیں پہنچتی۔ مثلاً ہڈیاں اور کریاں)

اعضائے مرؤسہ اگرچہ اعضائے رئیسہ نہیں ہیں اور نہ ہی خادم الرئیس ہیں لیکن یہ اپنے اندر بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگا لیں کہ ان کی طرف تمام اعضائے رئیسہ کی طرف سے قوتیں آتی ہیں۔ گویا ان کا تعلق تینوں اعضائے رئیسہ کے ساتھ ہے جب کہ اعضائے خادم الرئیس کا تعلق صرف کسی ایک عضو رئیس کے ساتھ ہے۔ اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ عضو رئیس یا اس کے خادم عضو میں سے کوئی بیمار ہو تو صرف اسی عضو کی خرابی و بیماری اور کمی بیشی کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر کسی عضو مرؤسہ میں خرابی ہو تو لازمی ہے کہ یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ کس عضو رئیس

کی خرابی کا اثر اس پر ہے۔ النسجہ (مفرد اعضاء) کے نقطہ نظر سے دیکھنا پڑے گا کہ عضو مروسہ کا کونسا نسیج خراب ہے۔ یہ ایک ایسا راز ہے جس سے فرنگی طب بالکل ناواقف ہے اگر اس کو علم ہے تو وہ اپنی کتب طبیہ میں اس قانون کو دکھائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ نہیں دکھا سکیں گے۔

آخر میں ایسے اعضاء کو بیان کیا ہے جو نہ تو خادم الرئیس ہیں اور نہ ہی مروسہ ہیں۔ یعنی ان کی طرف کسی عضو رئیس کی طرف سے قوت نہیں جاتی۔ خود ان کے اندر فطرۃً قوت موجود ہے جس کو طب قدیم حرارت غریزی کی قوت کہتی ہے جس سے اس میں خود تغذیہ و تنمیہ کی قوت پائی جاتی ہے۔ حرارت غریزی وہی قوت ہے جو نطفہ کے ساتھ انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے اور وہ قوت موت تک قائم رہتی ہے۔ اسی قوت غریزی کی مدد سے وہ اپنے نشوونما ارتقاء اور زندگی کے لئے غذا خون سے حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ان میں ہڈیاں اور کریاں (نرم ہڈیاں) شامل ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ ہڈیاں اور کریاں کو طب قدیم نے اعضائے اصلیہ میں شمار کیا ہے۔ اور اعضائے اصلیہ کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ منی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو اعضائے منی سے پیدا ہوتی ہے ان میں زندگی تک قوت غریزی قائم رہتی ہے تاکہ اس کی وجہ سے اس میں نشوونما ارتقاء اور زندگی کے لئے غذا حاصل کرنے کے لئے قوت حاصل رہے اور کبھی تھوڑی بہت ضرورت پڑے تو وہ مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ مثلاً ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ جائے۔ یا کبھی قوت میں تیزی ہو تو زائد ہڈی پیدا ہو جائے یا کہیں کوئی ہڈی میں ابھار پیدا ہو جائے۔ بعض لوگوں میں پانچ سے زائد انگلیاں یا بعض لوگوں میں زائد دانت یا ضرورت سے زائد لمبے دانت دیکھے جاتے ہیں۔ اسی طاقت سے ناخون اور دانت پیدا ہوتے ہیں۔ بچپن کے جب دانت گر جاتے ہیں تو دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر اس قوت میں شدت ہو تو تیسری بار بھی دانت یا دانت نما صورت

پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا یہ سب کچھ حرارت غریزی کی قوت پر منحصر ہے جس سے اعضائے اصلیہ میں نشوونما ارتقاء اور زندگی قائم رہتی ہے۔

فرنگی طب اور ماڈرن سائنس ہڈی اور کری کی پیدائش النسجہ الحاقی (کنکٹو ٹشوز) سے تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر نسیج بلکہ ہر حیوانی ذرہ (سیل) میں اپنی جداگانہ زندگی ہے جس سے اس میں تغذیہ و تنمیہ اور تسنیم و تصفیہ کی قوت ہوتی ہے اور تیسرے اس میں نشو و ارتقاء کی قوت ہوتی ہے جس سے ایک قسم کا نسیج دوسری قسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان حقائق کے بعد اب طب قدیم کی قوت حرارت غریزیہ پر غور کریں جو کچھ مغربی طب تسلیم کرتی ہے اس سے بھی زیادہ اس میں موجود ہے۔ یہ ہیں طب قدیم کے کمالات جن سے پورے طور پر فرنگی طب واقف نہیں ہے۔ فرنگی طب کی اس تحقیق کو بھی ذہن میں رکھیں کہ وہ یہ تسلیم کرتی ہے کہ نسیج الحاقی تمام دیگر النسجہ سے ادنیٰ ہے۔ اب غیر مروسہ اعضاء اور ادنیٰ النسجہ کو بالمقابل رکھ کر لطف اٹھائیں اور طب قدیم کے بیان پر فخر کریں۔ یہی ہے فن کا کمال۔ صرف یہیں پر کمالات ختم نہیں ہوتے بلکہ اس کی ماہیت کو بیان کرتا ہے۔

## ماہیت اعضاء

شیخ الرئیس لکھتے ہیں۔ "وتنقسم الاعضاء بالجملۃ الی مفردۃ وھی التی ای جزءٌ محسوس اخذت منھا کان مشارکا للکل فی الاسم والحد۔ والی مرکبۃ ھی التی لاتکون کذالک۔ وتسمی اعضاءً الیۃ۔"

"(اعضاء بالجملہ مفرد کی صورت میں تقسیم ہوتے ہیں۔ اعضاء مفرد وہ ہیں جن کا کوئی ظاہری اور محسوس حصہ لیا جائے تو وہ نام اور تعریف میں کل کا شریک ہو۔ اعضاء مرکبہ وہ اعضاء ہیں جو اعضاء مفردہ کے مانند نہ ہوں۔ اعضاء مرکبہ کو اعضاء الیہ بھی کہتے ہیں)"

مفرد اعضاء طب قدیم انہی کو کہتی ہے جن کو فرنگی طب نے النسجہ کا نام دیا ہے۔ اور انہی کو اعضائے اصلیہ بھی کہا ہے۔ یہ وہی اعضاء ہیں جو اول اصل منی سے پیدا ہوتے ہیں جن کی تفصیل طبی کتب میں بھری پڑی ہیں۔

## فرنگی طب کا اعتراض

طب قدیم ہڈی۔ کری۔ رباط۔ وتر۔ عصب۔ عضلہ اور جسم کی شرائین اور وریدوں کو بھی مفرد اعضا میں شریک کرتی ہے۔ حالانکہ وہ مرکب النسجہ سے بنی ہوتی ہیں۔

## طب قدیم کا جواب

جہاں تک شرائین اور وریدوں میں امتیاز کی صورت ہے ہم ان کو گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں جن سے فرنگی طب اور ماڈرن میڈیکل سائنس بالکل واقف نہیں ہے۔ جہاں تک ان کے طبقات کا تعلق ہے یہ طبقات قلب اور جگر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان طبقات کو دور کیا جائے اور ان کے ایسے اجزاء کو لیا جائے جو محسوس ہوں اور عرف میں ان کو اس کا جز بھی کہا جائے تو ایسی صورت میں شرائین اور وریدیں مفرد کہلائیں گی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے افعال مختلف ہیں اس لئے اپنی اپنی جگہ وہ مفرد ہیں۔

## فرنگی طب کا دوسرا اعتراض

چربی نہ مفرد اعضاء سے متعلق ہے اور نہ ہی اس کی پیدائش خون کی ماہیت سے ہوتی ہے بلکہ وہ خون کے روغنی اجزا سے پیدا ہوتی ہے۔

## طب قدیم کا جواب

ہم گذشتہ صفحات میں ثابت کر چکے ہیں کہ بلغم خام خون ہے اور اس میں خون کے تمام اجزا ہوتے ہیں اور یہ دماغ و نخاع اور اعصاب کی غذا ہیں۔ فرنگی طب یہ تسلیم کرتی ہے کہ اعصاب کی غذا میں گلیسرین جیسے روغنی اجزا شریک ہیں تو چربی جس ماہیت سے بنتی ہے اس میں روغنی اجزا کا ہونا لازمی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ چربی کو طب قدیم نے اگرچہ مفرد اعضاء میں لکھا ہے مگر اس کو اعضاء اصلیہ میں شمار نہیں کیا۔ اس کی پیدائش خون سے تسلیم کی ہے اور اسکا مزاج سرد مقرر کیا گیا ہے

## مفرد اعضا کی تقسیم

طب قدیم کے قانون کے تحت اعضائے مفردہ تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) بنیادی اعضاء (بیسک آرگن) (۲) حیاتی اعضاء (لائف آرگن) (۳) خون سے بنے ہوتے اعضاء (بلڈ آرگن) جن کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

### (۱) بنیادی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے انسانی جسم کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جن میں تین اعضاء شریک ہیں (۱) ہڈیاں (بونز) (۲) رباط (لگے منٹس) (۳) اوتار (ٹمنڈنز)۔ ان میں حرارت غریزی کی قوت ہوتی ہے جس کی مدد سے یہ خون میں سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ انسانی جسم کی بنیاد اور ڈھانچہ کے سوا ان کا انسانی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نہ اعضائے رئیسہ کی طرف سے ان کی طرف کوئی قوت آتی ہے اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی قوت جاتی ہے۔

### (۲) حیاتی اعضاء

ایسے اعضاء جن سے انسانی زندگی اور بقا قائم ہے۔ یہ بھی تین ہیں (۱) اعصاب (نروز) جن کا مرکز دماغ (برین) ہے۔ (۲) عضلات (مسلز) جن کا مرکز قلب (ہارٹ) ہے (۳) غدد (گلینڈز) جن کا مرکز جگر (لیور) ہے گویا دل و دماغ اور جگر جو اعضائے رئیسہ ہیں یہی انسان کے حیاتی اعضاء ہیں اور انہی کے ساتھ انسانی زندگی قائم ہے اور دیگر اعضاء اور خون بدن دوران

### (۳) خون سے بنے ہوئے اعضا

خون سرخ رنگ کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں لطیف بخارات (گیسز) حرارت (ہیٹ) رطوبات (لکویڈ) پائے جاتے ہیں یعنی ہوا و حرارت اور پانی کا مرکب ہے۔ دوسرے معنوں میں سودا و صفراء اور بلغم کا حامل ہے اور اس سے جسم کے بنیادی و حیاتی اعضا کی غذا کے ساتھ ساتھ چربی بھی تیار ہوتی ہے۔ جو اس کے بنائے ہوئے اعضاء ہیں جو خون کی ماہیت اور اس کے روغنی مادوں سے پیدا ہوتی ہے۔

## مفرد اعضاء کی مختصر تشریح و منافع

مفرد اعضاء کی تینوں اقسام کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

**بنیادی اعضاء** شیخ الرئیس لکھتے ہیں۔ "اما الغضروف فھو جسم الین من العظم و اصلب من سائر الاعضاء خلق لیحسن بہ اتصال العظم بالاعضاء اللینۃ"۔ (کری ایک جسم ہے جو ہڈی سے نرم اور دیگر اعضاء سے سخت ہوتی ہے۔ اس کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہڈی کو نرم اعضا سے جوڑا جاتا ہے) "کری میں ہڈی بھی شریک ہے"۔

معا الاوتار فھو اجسام تنبت من اطراف لبعض العضل شبیھۃ بالعصب تتلاقی الاعضاء المتحرکۃ فتارۃ تجذبھا بانجذابھا وتارۃ ترخیھا باسترخائھا۔ (اوتار وہ اجسام ہیں جو بعض عضلات کے سروں سے اگتے ہیں اور پٹھوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ ان اعضاء سے ملے رہتے ہیں جو حرکت کرتے ہیں۔ پس اوتار ایک مرتبہ تو عضو متحرک کو کھینچ لیتے ہیں اور دوسری بار خود ڈھیلے ہو کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں)

"واما الرباطات فھی اجسام شبیھۃ بالعصب تاتی من العظم الی اللحم ذو وصل بین طرفی عظمی المفاصل وبین اعضاء اخری"۔ (رباطات (بندھن) وہ اجسام ہیں جو پٹھوں کے ہم شکل ہوتے ہیں۔ یہ ہڈی سے شروع ہوتے ہیں اور گوشت میں ختم ہو جاتے ہیں اور جوڑوں کی ہڈیوں کے دونوں سروں کو دوسرے اعضاء سے باہم باندھ دیتے ہیں)

**حیاتی اعضاء** واما الاعصاب فھی اجسام بیض لینۃ فی الانعطاف صلبۃ فی الانفصال خلقت لیتم الاعضاء الحس وحرکۃ۔" (اعصاب پٹھے، وہ سفید اجسام ہیں جو نرم لچکدار ہوتے ہیں اور ٹوٹنے میں سخت ہوتے ہیں۔ ان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ ان کے ذریعے اعضاء میں حرکت عمل میں آتی ہے)

"واما العضلات فھی اجسام لحمیۃ الجسد ترکیبھا من اللحم المحض ومن العصب والاوتار والرباطات ومنفعتھا ان تحرک الاعضاء بمعاونۃ الاوتار لھا واَن تکسو العظام وتحقن الحرارۃ الغریزیۃ فی الجسد"۔ (عضلات (گوشت)



وہ لحمی اجسام ہیں۔ اس کی بناوٹ میں خالص گوشت ہوتا ہے، پھر اعصاب و اوتار اور رباطات مل کر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان کے فوائد ہیں (۱) اوتار کی مدد سے اعضاء کو حرکت و بنا (۲) ہڈیوں کو ڈھانکنا (۳) حرارت غریزی کو جسم میں محفوظ رکھتا ہے)

واما الکبد فھو جسم مرکب من اللحم والعروق والشرائین والغشاء الذی سیترھا ولیس لھا فی نفسا حس۔ اما غشاؤھا فلہ حس کثیر ولونھا شبیہ بالدم الجامد وھی منبت العروق الغیر الضوارب التی تسمی الاوردۃ وموضعھا فی الجانب الایمن وظھرھا یلاحق بفلوع الخلف ولطنھا یلاحق بالمعدۃ واعلاھا فی مابین حجاب الصدر واسفلھا ینتھی الی الخاصرۃ ومنفعتھا تولید الدم تغذیہ الاعضاء"۔ (جگر (غدود) ایک جسم ہے جو گوشت، شریانوں، وریدوں اور اس جھلی سے مرکب ہے جو جگر کو ڈھانکے ہوئے ہے۔ بذات خود جگر بے حس ہے لیکن اس کی جھلی بہت ذی حس ہے (یعنی جگر جدا ایک مفرد عضو (نسیج) ہے اور وہ گوشت عضلات اور جھلی (اعصاب) سے مرکب ہے اس میں شریانیں اور وریدیں بھی ہیں) جگر کی رنگت منجمد خون کی مانند ہے۔ عروق غیر ضوارب (ساکن) اس سے اگتی ہیں جن کو اوردہ کہتے ہیں۔ اس کی جائے قیام دائیں طرف پسلیوں کے اندر ہے۔ جگر کی پشت زیریں پسلیوں سے چپاں رہتی ہے اس کا بطن معدہ کے ساتھ متصل ہے۔ جگر کا بالائی حصہ حجاب حاجز کے درمیان رہتا ہے اور زیریں حصہ خاصرہ تک پہنچتا ہے۔ جگر کا فائدہ اعضاء کے تغذیہ کے لئے خون پیدا کرنا ہے)

نوٹ :- طحال و بلبلہ اور گردے وغیرہ بھی جگر کی طرح غدد ہیں۔

**طب قدیم کے کمال کا راز** اس کتاب کے لکھنے میں جہاں طب قدیم کے فطری قوانین کی حقیقت کا اظہار ہے وہاں پر اس کے علاج الامراض اور حفظ صحت کے کمال کا ایک راز بیان کرنا ہے یہی راز ہے جس

سے طب قدیم میں علاج الامراض اور حفظان صحت سو فی صدی یقینی اور بے خطا ہو سکتے ہیں۔ یہ کمال فرنگی طب تو کیا کسی طب میں نہیں پائے جاتے۔ البتہ ایورویدک میں اس کی جھلکیاں ضرور نظر آتی ہیں۔ لیکن مکمل طور پر اس میں بھی بیان نہیں کیا گیا ہے وہ راز کیا ہے؟ یہ راز پیدائش امراض ہے۔ پیدائش امراض پر ہی حفظان صحت اور علاج الامراض کی بنیاد ہوتی ہے۔ فرنگی طب پیدائش امراض میں جراثیم کو تسلیم کرتی ہے۔ جہاں ان کو جراثیم نہیں ملتے وہ عناصر خون کی کمی بیشی سے امراض کا علاج کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ابتدائے کتاب میں لکھ چکے ہیں ایورویدک میں پیدائش امراض دوشوں کی خرابی و کمی بیشی اور ان کے مقام بدل جانے کو تسلیم کرتے ہیں اور ہومیوپیتھی میں پیدائش امراض روح (وائٹل فورس) کا کمزور ہو جانا تسلیم کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

طب قدیم میں پیدائش مرض اور حفظان صحت کا قیام مزاج اور اخلاط کے اعتدال پر ہے جو جسم انسان میں کیمیاوی صورتیں ہیں۔ اس میں راز کی بات یہ ہے کہ اعضائے مفردہ (انسجہ) انہی امزجہ اور اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں اور امزجہ و اخلاط اس غذا سے پیدا ہوتے ہیں جو انسان کھاتا ہے۔ گو یا جوہر و مادہ اور امزجہ و اخلاط سے لے کر اعضائے مفردہ تک ہے جن میں حیوانی ذرہ (سیل) اور انسجہ (ٹشوز) بھی شریک ہیں ایک قسم کے مواد و اجزا اور اخلاط و اعضاء ہیں۔ یعنی اگر امزجہ اور اخلاط میں کیمیاوی طور پر کمی بیشی اور خرابی پیدا ہو گی تو مفرد اعضاء (انسجہ) اور مرکب اعضا میں بھی وہی خرابی اور مرض کی حالت پیدا ہو جائے گی۔ اسی حالت کا نام مرض ہے اور جسم انسان کے امزجہ اور اخلاط کی حالت درست کر دی جائے تو مرض دور ہو جائے گا اور صحت قائم ہو جائے گی۔

اس حقیقت میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ غذا سے لے کر اعضاء تک جراثیم کا کہیں تصور پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اگر اس دوران میں کسی مقام پر یعنی غذا سے لے کر

اعضاء تک کہیں بھی بیرونی طور پر یا اندرونی طور پر کہیں خمیر اور فساد سے جراثیم پیدا ہو کر اپنا زہریلا اثر کریں تو یقینی امر ہے کہ امزجہ و اخلاط اور اعضاء کی قوتیں ان کے فنا اور برباد کرنے کا خود کار عمل کرتی ہیں جس طرح دیگر اقسام کے زہروں کو وہ فنا و برباد کرنے کے لئے خود کار عمل کرتی ہیں۔ امراض پیدا کرنے والے جراثیم کو ہم تسلیم بھی کر لیں تو بھی ان کی اہمیت دیگر اقسام کے زہروں سے زیادہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم ان کو حیوانی زہروں کا نام دے سکتے ہیں۔ لیکن ان کا تعلق امراض اور حفظ صحت سے کوئی نہیں ہے۔ جس طرح دیگر زہروں کا تعلق امراض و حفظان صحت سے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ طب قدیم میں ہر قسم کے زہروں کا تعلق امزجہ اور اخلاط سے پیدا کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طب قدیم کیا فرنگی طب میں بھی زہروں کے امراض بیان نہیں کئے گئے۔ جس طرح انہوں نے حیوانی زہروں (جراثیم) کے امراض گنوائے ہیں ان کو چاہئے تھا کہ جراثیم (حیوانی زہر) کی طرح نباتاتی اور جماداتی زہروں کے امراض بھی بیان کرتے۔ ان کے سلسلہ میں تو ان کی زہریلی علامات لکھ دی ہیں اور ان کے علاج بیان کر دیئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنی سہولت کے لئے (ہماری سہولت کے لئے نہیں کیونکہ طب قدیم میں ہر زہر اول کسی مزاج اور خلط میں اضافہ کرتا ہے پھر وہ کسی عضو پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر زہر بھی ایک مزاج رکھتا ہے) وہ ہر نوع جراثیم کی زہریلی علامات لکھ لیتے اور ان کے تریاق بیان کر دیتے۔ ان کا امراض سے تعلق پیدا نہ کرتے تو ان کے لئے علم العلاج بہت آسان ہو جاتا۔ انہوں نے خواہ مخواہ حیوانی ذروں (جراثیم) کو علم الامراض میں کھینچ کر اپنے لئے بہت بڑی مشکلات پیدا کر لی ہیں۔ ان کی سہولت کے لئے ان سے زیادہ ہم نے کام کیا ہے کہ ہم نے تمام اقسام جراثیم کو نہ صرف بالمفرد اعضاء (انسجہ) بلکہ امزجہ اور اخلاط کے ساتھ تطبیق دے دیا ہے۔ ہماری یہ تحقیقات ماہنامہ رجسٹریشن فرنٹ میں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ تحقیقات ہم نے اس لئے

کی ہیں کہ ہم ثابت کر سکیں کہ جراثیم (حیوانی زہروں) کا تعلق ایک طرف امزجہ اور اخلاط کے ساتھ ہے اور دوسری طرف مفرد اعضاء (النسجہ) کے ساتھ ہے تاکہ ان کے زہریلے اثرات کا تعلق ایک طرف امزجہ اور اخلاط سے قائم ہو جاتے اور دوسری طرف ان کا تعلق اعضائے مفرد سے ظاہر ہو جائے جیسے دیگر نباتاتی اور جماداتی زہروں کے اثرات کے تعلقات امزجہ اور اخلاط کے ساتھ قائم ہیں تاکہ ان کے زہروں کے لئے دافع جراثیم (انٹی سپٹک) ادویات کی ضرورت نہ ہے بلکہ صرف امزجہ و اخلاط یا مفرد اعضاء (النسجہ) کے افعال کے اعتدال سے امراض کو رفع کیا جا سکے۔ گویا جراثیم کی فن علاج میں کوئی اہمیت نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فرنگی طب کی بنیاد جو جراثیم پر ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جراثیم نہ خون کا کیمیاوی جزو ہیں اور نہ ہی جراثیم اعضائے مفردہ کا حصہ ہیں۔ اس لئے امراض اور حفظان صحت کی بنیاد جراثیم پر رکھنا انتہائی لغو اور بے معنی بات ہے۔ انہی حقائق سے ثابت ہے کہ فرنگی طب بے اصولا و عطایانہ اور غلط ہے۔

فرنگی طب کے جراثیم کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک اور حقیقت پیش کرتے ہیں، یہ حقیقت علاج بالمثل (ہومیوپیتھی) کے تجربات اور مشاہدات ہیں۔ یہ بات ہم بار بار بیان کر چکے ہیں کہ ہومیوپیتھی مکمل طریقہ علاج نہیں ہے۔ البتہ اس کا علم الادویہ اپنے اندر کچھ حقائق رکھتا ہے۔ انہی حقائق کو ہم پیش کر کے ثابت کر دیں گے کہ جراثیم کا تعلق کسی مرض کے ساتھ نہیں ہے البتہ ان کے اثرات کی علامات ضرور ہیں۔

ہومیوپیتھی علم الادویہ کے تجربات اور مشاہدات سے یہ حقیقت مسلمہ بن گئی ہے کہ جسم انسان پر جو ادویات اور زہر استعمال کئے جاتے ہیں ہر ایک کی الگ الگ علامات ہوتی ہیں۔ ان سے امراض پیدا نہیں ہوتے اس لئے وہ کسی مرض اور حفظان صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہی اصولوں پر جراثیم (حیوانی زہر) کی بھی علامات ہو سکتی ہیں۔ ان سے امراض پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس حقیقت سے یہ بھی ظاہر ہے

کہ جراثیم کا امراض سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑا ثبوت یہ ہے کہ جن امراض کے اسباب فرنگی طب جراثیم کو تسلیم کرتی ہے۔ انہی امراض کے اسباب کو ہومیوپیتھی تجربات و مشاہدات سے اپنی ادویات اور زہروں کے اثرات میں بیان کرتی ہے۔ گویا جن امراض کو وہ جراثیم کا نتیجہ ثابت کرتی ہے۔ ہومیوپیتھی ان کو اپنی ادویات اور زہروں کے اثرات کی علامات ثابت کرتی ہے۔ اب کوئی فرنگی طب کی تحقیق کو اہم سمجھے یا ہومیوپیتھی کے تجربات اور مشاہدات کو صحیح تسلیم کرے۔ کیا کوئی فرنگی معالج ہومیوپیتھی کی اس حقیقت کو غلط ثابت کر سکتا ہے۔ کیا اب بھی کوئی صاحب عقل اور اہل فن فرنگی طب کو صحیح تسلیم کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں!!

لطف کی بات یہ ہے کہ ہومیوپیتھی کے علم الادویہ میں فرنگی طب کی دافع عفونت اور قاتل جراثیم ادویات ہی سے خوفناک امراض کا پیدا ہونا ثابت ہے۔ مثلاً مرکری اور آیوڈم جیسی انتہائی دافع عفونت اور قاتل جراثیم ادویہ تپدق و سل اور خونیا پیدا کرتی ہیں۔ کونین سے ملیریا پیدا ہوتا ہے اور ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ سوڈا اور پوٹاس کے مرکبات سے ذیابیطس اور عام کمزوری پیدا ہو جاتی ہے ان سے جسم میں خوفناک پھوڑے اور خارش پیدا ہو جاتی ہے وغیرہ۔

اس سے بھی پرلطف بات یہ ہے جو امراض زہریلے جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں وہ امراض طب قدیم کی ایسی ادویات سے دور ہو جاتے ہیں جو نہ دافع تعفن ہیں اور نہ ہی قاتل جراثیم ہیں۔ یہی وہ راز ہے جس کو ہم نے یہاں ثابت کیا ہے کہ امراض جراثیم سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ کیمیاوی طور پر اخلاط کی خرابی یا مفرد اعضاء (النسجہ) کے افراط و تفریط اور ضعف سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اعضائے مفردہ (النسجہ) اخلاط سے بنتے ہیں اور اخلاط اغذیہ سے پیدا ہوتے ہیں اور اغذیہ عناصر سے مرکب ہیں۔ گویا یہ ایک مربوط تسلسل ہے جو اغذیہ و اشیاء، مزاج و اخلاط اور اعضائے مفرد اور اعضائے مرکبہ تک اپنا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ اسی سلسلہ کے درست قائم رہنے کا نام صحت ہے اور جہاں پر اس سلسلہ میں خرابی واقع ہوتی ہے مرض پیدا ہو جاتا ہے اور پھر

جب اس سلسلہ کو درست کر دیا جائے مرض دور ہو کر صحت قائم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال بالکل میدان جنگ کی ہے جہاں فوج لڑ رہی ہوتی ہے اور اس کے پیچھے رسد اور کمک کا سلسلہ جاری رہتا ہے جہاں پر رسد اور کمک میں خلل پیدا ہوا وہاں پر فوج کی لڑائی میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ رسد اور کمک کا درست کر دیا جائے تو فوج کامیاب ہو جاتی ہے۔ ورنہ فوج شکست کھا جاتی ہے۔ انسانی جسم میں اعضاء فوج ہیں جو صحت کو قائم رکھنے کے لئے ایک قسم کی جنگ لڑ رہے ہیں اغذیہ و اشیاء اور امرجہ و اخلاط اس کے لئے رسد اور کمک ہیں جن کا سلسلہ قائم رہنا ضروری ہے۔ اس سے صحت قائم رہ سکتی ہے۔ ورنہ مرض کا حملہ ہو جانا لازمی ہے یہی زندگی و صحت اور طاقت فطری کا راز ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرنگی طب اور ماڈرن سائنس نے مادہ اور اعضاء کی حقیقت پر سے پردہ ہٹانے کی بہت کوشش کی ہے مگر جو کچھ طب قدیم نے بیان کیا ہے اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکیں۔ خاص طور پر اس نے مادہ اور اعضاء کے سلسلہ اور تعلق کو جس خوبصورتی سے باہم جوڑا ہے اس کا جواب نہ فرنگی طب میں ہے اور نہ ہی ماڈرن سائنس پیش کر سکتی ہے۔ یہی حفظان صحت و مرض اور علاج مرض کا فطری اور حقیقی راز ہے اور جب تک وہ اس سلسلہ کو قائم نہیں کریں گی ان کے فن علاج میں خرابی رہے گی۔ ان کا علم و فن طب کبھی صحیح اور کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہی ہمارا چیلنج ہے۔

---





# ۵- ارواح

**ارواح کیا ہیں** شیخ الرئیس لکھتے ہیں:- "اما الارواح اجسام لطیفة تحدث من بخاریة الاخلاط ولطافتها وتنقسم الی طبیعة" (ارواح وہ لطیف اجسام ہیں جو اخلاط اور ان کی لطافت سے پیدا ہوتے ہیں اور اپنی طبیعتوں کی طرف تقسیم ہو جاتے ہیں) یہ تین ہیں (۱) روح طبیعی (۲) روح حیوانی (۳) روح نفسانی

**روح طبیعی** "وھی التی تنفذ من الکبد فی العروق غیر الضوارب الی جمیع البدن"۔ (روح طبیعی وہ ہے جو جگر سے بذریعہ اوردہ تمام بدن میں پہنچتی ہے)

**روح حیوانی** "والحیوانیة وھی التی تنفذ فی العروق الضوارب من القلب الی جمیع البدن"۔ (روح حیوانی وہ ہے جو قلب سے بذریعہ شرائین تمام بدن میں پہنچتی ہے)

**روح نفسانی** "والنفسانیة وھی التی تنفذ من الدماغ فی العصب الی اقاصی الاعضاء" (روح نفسانی وہ ہے جو دماغ سے پٹھوں کے ذریعے اعضاء کے انتہائی حصوں تک پہنچتی ہے)

طب قدیم میں روح ان لطیف بخارات کو کہتے ہیں جو اخلاط کے لطیف حصہ سے پیدا ہوتے ہیں جس طرح اعضاء اخلاط کے کثیف حصہ سے بنتے ہیں۔ اس سے مراد طبی روح ہے۔ مذہبی روح نہیں ہے جس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

چونکہ ارواح سے قوتوں کا اظہار ہوتا ہے جن کا ذریعہ اظہار نفس انسانی ہے اس طرح قویٰ کی طرح ارواح کی بھی تین اقسام ہیں (۱) روح حیوانی جس کا مقام قلب ہے

(۲) روح طبعی جس کا مقام جگر ہے (۳) روح نفسانی جس کا مقام دماغ ہے۔

## فرنگی طب میں ارواح کا تصور

ماڈرن سائنس اور فرنگی طب میں ارواح یا کسی ایک روح کا جو جسم انسانی میں پائی جاتی ہے کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ وہ ان کے قائل نہیں ہیں اور نہ اس امر کے قائل ہیں کہ یہ ارواح جسم انسان میں کچھ افعال انجام دیتی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس انکار کے برعکس وہ لطیف ہواؤں کے قائل ہیں جن کو گیسز کہتے ہیں۔ اس امر کے بھی قائل ہیں کہ وہ خون میں بھی پائی جاتی ہیں اور یہ خون کے اندر کئی اہم مقصد انجام دیتی ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ فرنگی طب بھی بالواسطہ ان ارواح اور ان کے افعال سے پوری طرح واقف ہے، البتہ طب قدیم نے ان ارواح کا امور طبعیہ میں جس طرح قانون بنا کر ایک مجموعہ کی صورت دی ہے اس کے فوائد اور حقائق سے بے خبر ہے یہیں سے فرنگی طب کی بے اصولی اور لاقانونی پیدا ہوتی ہے اور فرنگی طب غلط ہو کر عطایانہ صورت اختیار کر گئی ہے۔

اس حقیقت سے فرنگی طب انکار نہیں کر سکتی کہ یہی گیسز جب مختلف اعضا میں جا کر اثر انداز ہوتی ہیں تو اُن کے مختلف مقام اور افعال کی وجہ سے نام بدل جاتے ہیں مثلاً جو گیسز دماغ اور اعصاب میں تحریک پیدا کرتی ہیں انہیں مینٹل فورسس (روح نفسانی) کہتے ہیں۔ جو قلب اور عضلات میں اثر انداز ہوتی ہیں ان کو اینی مل فورسس (روح حیوانی) اور جو جگر اور دیگر غدد میں اثر انداز ہوتی ہیں ان کو فزیکل فورسس (روح طبعی) کہتے ہیں۔ اگر ان کے قویٰ اور افعال کے مطابق دیکھا جاتا ہے (۱) روح نفسانی (مینٹل فورسس) کا تعلق دماغ اور اعصاب کے ساتھ ہے جن کا تعلق بلغم اور رطوبت کے ساتھ ہے اس کو انرجی کہتے ہیں۔ (۲) روح حیوانی (اینی مل فورسس) کا تعلق قلب اور عضلات کے ساتھ ہے جن کا تعلق خشکی کے ساتھ ہے اس کو فورسس کہتے ہیں (۳) روح طبعی (فزیکل فورسس) کا تعلق حرارت سے ہے اس کو پاور کہتے ہیں۔ بہرحال ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ ماڈرن سائنس اور فرنگی طب میں ارواح کا تصور ہے جو اصل میں انہوں نے طب قدیم سے ہی لیا ہے مگر ان کو علاج سے دور کر کے اپنے کو غلط اور عطایانہ بنا لیا ہے۔

## روح پر فرنگی طب کا اعتراض

روح کے متعلق فرنگی طب کا ایک یہ اعتراض بھی ہے کہ روح جس کی تعریف طب قدیم یہ کرتی ہے کہ وہ لطیف بخاری جسم ہے۔ ایسے جسم کا اگر وجود بھی ہو تو قدیم طب کو ان سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے اور نہ ایسے جسم کی کوئی خاص بدنی اہمیت ہے۔

## طب قدیم کا جواب

پھر ایک بار طب قدیم کے اس قانون کو ذہن نشین کر لیں کہ روح بخارات کے مانند ایک لطیف جسم ہے جو لطیف خون سے تیار ہوتا ہے تمام قوتیں اسی جسم کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور انہی کے تمام اعضاء میں پہنچتی ہیں۔ یہاں ذہن نشین کرنے والی حقیقت یہ ہے کہ جسم کی تمام قوتیں ارواح سے قائم ہوتی ہیں اور انہی کے ذریعے تمام اعضاء میں پہنچتی ہیں۔ اس کی مثال بجلی کے ساتھ دی جا سکتی ہے جو آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ بجلی کی پیدائش (سیل) کے ذریعے کی جائے یا مشین (ڈینامو) کے ذریعے کی جائے جب یہ بجلی تیار ہو جاتی ہے تو اس کا اظہار اس کی لہر سے ہوتا ہے۔ یہ لہر اس کی تاروں میں گزرتی ہے اور ضرورت کے مقام پر اپنی طاقت اور شعلہ کا اظہار کرتی ہے۔ اس طرح بجلی کے اظہار میں تین چیزوں کا پایا جانا نہایت ضروری ہے (۱) وہ مرکز جہاں سے بجلی پیدا ہو رہی ہے (۲) وہ قوت جو اس مرکز میں پیدا ہو رہی ہے (۳) وہ لہر جو اس قوت سے خارج ہو کر بجلی کی تاروں سے اخراج پا رہی ہے۔ پس اس لہر کی مثال روح کی ہے جو قوت میں سے تاروں کے ذریعے اخراج پاتی ہے۔ اور قوت اپنے مرکز میں پیدا ہو رہی ہے جس طرح یہ لہر کسی مشین کے پرزے کو حرکت دیتی ہے۔ یا کہیں شعلہ (سپارک) پیدا کرتی ہے بالکل اسی طرح روح جسم انسان میں اپنے مرکز سے قوت کو لے کر کسی عضو تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر

روح یا لہر اپنے مرکز سے قوت کو باہر خارج نہ کرے تو قوت اپنے مرکز میں ہی بند رہے یہی روح جسم اور اس کے افعال ہیں۔ کیا فرنگی طب یا ماڈرن سائنس اس حقیقت سے انکار کر سکتی ہے۔ اگر اس کو انکار ہے تو ہمارا چیلنج قبول کرلے۔ ہم ہر گھڑی یہ حقیقت ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

## روح اور زندگی

انسانی نطفہ (منی) جس کے اندر فرنگی طب اور ماڈرن سائنس بے شمار کرم تسلیم کرتی ہے اس کے متعلق کہتی ہے کہ اس کی زندگی مثل (۱) امیبہ (۲) حیوانی ذرہ (۳) جرثومہ کے ہوتی ہے۔ جن میں زندگی کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں جب انسانی نطفہ (منی کا کرم) عورت کے بیضہ انثیٰ سے مل کر بڑھنا شروع ہوتا ہے، دونوں یک جان اور یک قالب ہو کر بڑھتے ہیں۔

طب قدیم یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس نطفہ میں ایک رطوبت ہوتی ہے جس کا نام وہ رطوبت غریزی (اصلی) کہتے ہیں اور دوسرے حرارت ہوتی ہے جس کو حرارت غریزی (اصلی) کہتے ہیں اور تیسرے حقیقت وہ امر ہے جو حرارت غریزی اور رطوبت غریزی کے قوام و مقدار اور افعال و تصرف کو قائم رکھتا ہے۔ یہی ناظم اور نگران روح ہے۔ بالکل بجلی کے سیل کی طرح جس میں بجلی پیدا ہو رہی ہے اور لہریں اٹھ رہی ہیں اور تاروں میں ان کی رو دوڑ رہی ہے۔ جن لوگوں کو سمندر کی لہریں اور شعلوں میں مرغولوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ خوب اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہر قوت کے اندر سے لہریں اٹھتی ہیں اور ان میں جان (؟) ٹیں چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ یہی ان کی ارواح ہوا کرتی ہیں۔ یہی قانون قدرت ہے اور اشیاء کی فطرت ہے۔ اسی مسلمہ حقیقت کا نام ماڈرن سائنس فورسس رکھتی ہے یہی تینوں حقیقتیں مل کر نطفہ کو نشوو ارتقاء کی منزل طے کرا کے مکمل انسان بنا دیتی ہیں اور زندگی تک اس کی صحت اور طاقت کو قائم رکھتی ہیں اور جب ان میں سے کسی میں نقص



پیدا ہو جاتا ہے تو امراض نمودار ہوتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی ختم ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بجلی کے سیل میں سے اس کی کوئی شے خراب اور ختم ہو جائے اور کام بگڑ جاتے۔

## ایٹم اور روح

موجودہ دور میں روح کی بہترین مثال ایٹم سے دی جا سکتی ہے ماڈرن سائنس نے ایٹم کو وہ لطیف ترین ذرہ تسلیم کیا ہے باوجودیکہ وہ بے جان ہے لیکن اس میں بھی ایک خود کار زندگی ہے جس کا اظہار اس کی لہریں کرتی رہتی ہیں۔ یہ لہریں بجلی کی رو کی طرح اس کے اندر سے نکلتی رہتی ہیں جو اس کی طاقت کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ یہ تعداد میں تین مختلف قسم کی ہوتی ہیں جن کی تشریح طویل ہے ان کے نام یہ ہیں (۱) الیکٹرون (۲) نائٹرون (۳) پروٹرون۔ اعلیٰ دھاتوں میں ان کے مشاہدے آسانی سے کئے جا سکتے ہیں جیسے ریڈیم، یوریم اور پلاٹینم وغیرہ وغیرہ۔ یہاں ہمارا مقصد صرف روح کی حقیقت کا بیان کرنا ہے۔

ان حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ طبی ارواح لطیف گیسز اور بجلی کی لہریں ہیں جن میں بعض کے اندر جلنے کی قوت ہے اور شعلہ قبول کرتی ہیں جلنے والی گیس کا نام آکسیجن (نسیم) رکھ لیں یا کچھ اور نام رکھ لیں یعنی اس کو حرارت غریزی (اصلی) کے شعلہ کا نام دے دیں یا حرارت غریزی کی مدد و معاونت کرنے والا مادہ جس کے ایٹم کے پھٹنے سے حرارت غریزی پیدا کر دیتی ہے۔ اس توضیح سے ہم زندگی کے بہت قریب پہنچ جاتے ہیں یعنی ہم حرارت غریزی کو پیدا کر سکتے ہیں۔ البتہ اس میں شعلہ (سپارک) جس کو ہم روح کہتے ہیں اس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اگر موجودہ دور کے سائنسدانوں کے تجربات کی طرف ہم غور کریں کہ انہوں نے بعض چھوٹے چھوٹے جانوروں کو مار دینے کے کئی کئی گھنٹے بعد ان میں دوبارہ زندگی پیدا کر دی ہے یا ایسے انسانوں کو دوبارہ زندگی لوٹا دی ہے جو ڈوب کر مر گئے تھے یا بجلی کے شاک سے مر گئے تھے یا آکسیجن کے ٹینٹ (خیمہ) میں

مرنے والوں کو زندہ رکھ کر ان کو موت سے باہر گھسیٹ لیا جاتا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آئندہ بہت جلد انسان اس امر پر قابو پالے گا کہ وہ روح کے شعلہ (سپارک) سے حرارت غریزی کو پھر روشن کر دے۔ اس میں مذہب کے خلاف کوئی بات پیدا نہیں ہوتی وہ بھی امر ربی ہو گا۔ بلکہ یوں خیال کر لیں کہ خداوند حکیم نے ہمیں خود زندگی کے طریق سے آگاہ کیا ہے۔ ثبوت کے طور پر قرآن حکیم میں حضرت عیسٰے علیہ السلام سے مردوں کا زندہ کرنا ثابت ہے۔ بلکہ مٹی کے پرند بنا کر ان میں روح پھونکنا ثابت ہے یہ طاقت پیدا ہونے کے بعد مریضوں اور کوڑھیوں کو ہاتھ لگا کر تندرست کر دینا معمولی بات ہے۔

لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں اس گیس (روح) کا علم ہو جائے جو اپنے شعلہ (سپارک) سے حرارت غریزی کو پھر روشن کر دے جس طرح ہم بجلی کی مثبت و منفی تاروں کو جب باہم جوڑتے ہیں تو شعلہ بھڑک اٹھتا ہے۔ ہر شخص بجلی کی تاروں میں جدا جدا بجلی کی لہروں کو محسوس کر سکتا ہے۔ مگر شعلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں تاروں کو ملایا جاتا ہے۔ یہی روح ہے۔

## روح اور حرارت غریزی

حرارت غریزی کے متعلق اگرچہ حکمائے متقدمین اور متاخرین میں اختلافات ہیں۔ لیکن وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ حرارت غریزی ایک ایسی حرارت ہے جو قیام نطفہ کے وقت یا مرد اور عورت کے مادہ تولید کے ملنے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور اسی پر زندگی قائم ہے اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے اس لئے اس کو حرارت اصلیہ بھی کہتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نطفہ اور مادہ تولید کیا ان میں پہلے حرارت نہیں ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ ان میں ہوتی ہے۔ مگر دونوں کے ملنے سے ایک شعلہ پیدا ہو جاتا ہے جس طرح بجلی کے دو تاروں میں جدا جدا بجلی کی رو تو چل رہی ہوتی ہے مگر شعلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ دونوں آپس میں ملتی ہیں۔ بس یہی شعلہ ہی روح ہے۔

طب قدیم کے قانون کے مطابق حرارت غریزی بڑھائی نہیں جا سکتی۔ اس کے برعکس ماڈرن سائنس اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ حرارت غریزی کوئی حرارت اصلیہ نہیں ہے۔ بلکہ جسم انسان میں پیدا شدہ حرارت ہے۔ اس کو جس قدر بھی چاہیں انسان بڑھا سکتا ہے۔ اس کا جواب طب قدیم کا وہ ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ انسانی نطفہ اور عورت کا مادہ تولید اپنے ملنے پر جو حرارت پیدا کرتا ہے پھر زندگی بھر یہ حرارت اور شعلہ پیدا ہونا فی الحال ممکن نہیں۔ آئندہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے ممکن ہے البتہ ان دونوں نظریات میں جو مغالطہ ہے کہ روح کو شعلہ تسلیم کر لیا جائے اور حرارت غریزی جلنے والا مادہ (بتی) تو حقیقت اس طرح سامنے آجاتی ہے کہ شعلہ پھر روشن نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ حرارت غریزی کو زیادہ سے زیادہ جس قدر بھی بڑھایا جائے اس سے دو مقدمات واضح ہو جاتے ہیں کہ انسان حرارت غریزی کے ساتھ زندہ ہے اور وہ بڑھائی جا سکتی ہے مگر شرط ہے کہ شعلہ (روح) روشن رکھا جائے تو اس طرح انسان ایک لمبی عمر تک زندہ رہ سکتا ہے۔ دلیل کے طور پر چند شواہد بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً پیدائش کے بعد تندرست بچے کا سانس نہ لینا یا مر جانا یا تندرست جوان کا دم گھٹ جانا یا ڈوب جانا۔ بلند مقام سے گر کر مر جانا اور بہت زیادہ خون خارج ہو جانے کے بعد موت کا واقع ہو جانا۔ ان سب مشاہدات سے صاف ظاہر ہے کہ حرارت غریزی تو جسم میں قائم ہے مگر روح کا شعلہ بجھ گیا ہے اور اسی پر زندگی کا دارومدار ہے۔

## قرآن حکیم اور روح

قرآن حکیم نے روح کے متعلق فرمایا ہے "قل الروح من امر ربی" (کہہ دیں کہ روح میرے رب کا امر ہے) رب کو ہم نے نور اور حرارت غریزی (اصلی) تسلیم کیا ہے اور شعلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب امر ربی صادر ہوتا ہے۔ یہی روح ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ روح ایک شعلہ ہے۔ حکماء نے جسم انسان میں ایک طبی روح کو تسلیم کیا ہے جس کو مذہبی روح سے

ایک الگ ہستی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ شیخ الرئیس نے بیان کیا ہے جو ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں: یہی روح ایک شعلہ ہے جو بھڑک اٹھتا ہے۔ اگرچہ روح کے مشرقی اور مغربی تصورات میں بہت کچھ فرق ہے فرنگی طب اور ماڈرن سائنس روح کو سپرٹ کہتی ہے وہ سپرٹ کو روح شراب بھی کہتے ہیں جو ایک محلول ہے اور آگ سے بھڑک اٹھتا ہے اور شعلہ پیدا کرتا ہے۔ اس سے بھی روح کے ایک پہلو کی وضاحت ہوتی ہے۔ دوسری دلیل مادہ اور جوہر کی ہے اگر ان دونوں کی تقسیم کو جاری رکھا جائے تو آخر میں ان کا اختتام بھی شعلہ پر ہوگا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ماڈرن سائنس کی تحقیق سے بھی اگر عناصر (ایلیمنٹ) کا تجزیہ کیا جائے تو وہ بھی ایٹم کے بعد برقات (الیکٹرون) پر ختم ہوتا ہے جو بذات خود شعلہ ہیں۔ چوتھی دلیل قدیم ایور ویدک سائنس کی ہے۔ جو پانچ ارکان (تتت) تسلیم کرتی ہے اور ان کی پیدائش کو اس طرح بیان کرتی ہے (۱) پرتھوی (مٹی) کی پیدائش جل (پانی) سے ہوتی ہے (۲) جل کی پیدائش وایو (ہوا) سے ہوتی ہے (۳) وایو کی پیدائش اگنی (آگ) سے ہوتی ہے (۴) اگنی کی پیدائش آکاش (ایتھر) سے ہوتی ہے۔ آگ اگر شعلہ ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ (۵) آکاش آگ کا سمندر ہے جو اس کائنات کے اوپر پھیلا ہوا ہے اور آفاق کا سلسلہ اس سے قائم ہے جس کو ہم روح عالم کہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے بھی آسمان کو ایتھر کے معنوں میں بیان کیا ہے جس کو ماڈرن سائنس ایتھر کہتی ہے۔ وہ فرماتا ہے "اوکصیب من السمآء فیہ ظلمت و رعد و برق" (یا بارش کی مانند آسمان سے جس میں اندھیرا اور گرج اور بجلی ہے) ان حقائق سے ثابت ہے کہ ایتھر ایک آگ کا سمندر ہے قرآن حکیم میں اور بھی کئی جگہ اس سمار کی وضاحت آئی ہے جن سے ان حقائق کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔

**نفس اور آفاق**

اگر نفس اور آفاق کے تعلق کو آپس میں جوڑا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دونوں آگ کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندو علم العقائد (میتھالوجی) میں آتما اور پرماتما کی تعلیم پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی بہت کچھ نفس اور آفاق کے تصورات اور اثرات کی ایک ہندی شکل ہے جس کے متعلق قرآن حکیم نے بھی فرمایا ہے جو کچھ آفاق میں ہے وہی نفس میں ہے۔ اس نفس اور آفاق اور آتما و پرماتما کی توضیح کا مقصد یہ ہے کہ ان سب چیزوں کا تعلق آگ سے ہے اور صرف آگ ہی ہیں وہ قوت ہے جو زندگی بخش ہے۔ پرورش کرتی ہے اور حرارت بخشتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آگ کی پوجا ہوتی رہی ہے۔ فرقہ زرتشت خدا کا تصور آگ سے کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے رب کا جو لفظ دیا ہے اس میں بھی زندگی و پرورش اور حرارت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ روح کو ہوا کہنا بالکل غلط فہمی ہے بلکہ اس کو شعلہ اور سپرٹ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہی شعلہ انسانی جسم میں حرارت غریزی کو روشن رکھتا ہے یا اس سے حرارت غریزی جلتی ہے اور زندگی قائم رہتی ہے۔ حرارت غریزی ختم ہو جائے یا شعلہ کسی صورت میں بجھ جائے تو زندگی کو فنا آجاتی ہے۔

**جہان اکبر اور جہان اصغر**

یہ کائنات و آفاق اور برہما جس کو جہان اکبر بھی کہتے ہیں جن قوانین اور قویٰ کے تحت چل رہا ہے، بالکل انہی قوانین اور قویٰ کے تحت جسم انسان میں روح و نفس اور من چل رہا ہے۔ اس کو جہان اصغر کہتے ہیں جن کی مختصر تشریح یہ ہے کہ جس طرح جہان اکبر میں قوت اور بجلی کی پیدائش کیمیاوی ذرہ ہائے، رگڑ کی صورت اور کشش ثقل سے ہو رہی ہے اسی طرح جہان اصغر میں بھی یہ نظام قائم ہیں اور اس میں بھی ہر گھڑی قوت و بجلی پیدا ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (۱) انسان کا ہر حیوانی ذرہ ایک الیکٹرک سیل ہے (۲) جسم انسان میں خون کی گردش حرکت در گڑ (ایکشن) کے اصولوں پہ بجلی اور قوت پیدا کر رہی ہے (۳) ہر غیر حیوانی ذرہ اپنے اندر نظام شمسی (نظام ایٹم) اور ہر گھڑی غیر شعوری طور پہ بجلی اور قوت پیدا کر رہا ہے جب جہان اکبر اور جہان اصغر دونوں ایک قانون کے

مطابق فطرت اور قدرت کے تحت قائم ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کا باہمی تعلق نہ ہو یہ تعلق نفس و آفاق کا ہی ہے۔

## مادہ قوت اور رُوح

یہ حقیقت ہے کہ جو قوتیں نفس و آفاق میں پیدا ہوتی ہیں وہ بغیر مادہ کے ناممکن ہیں جس مقام پر قوت اور بجلی پیدا ہو رہی ہے وہ کیمیادی طور پر ہو چاہے حرکت سے پیدا ہو یا نظام شمسی اس کا ذریعہ ہو وہاں پر مادہ مقدم ہے اور اس کے ساتھ کسی ایسی قوت کا تصور بھی ضروری ہے جو مادہ اور قوت کے نظام کو قائم رکھ سکے۔ کیونکہ بغیر قوام کے نظام جہاں ممکن نہیں ہے۔ اس کا نام ہم روح رکھتے ہیں۔ گویا جہاں پر قوت کا تسلسل قائم ہے وہاں پر مادہ و قوت اور روح تینوں موجود ہیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی نفی کر دیں تو قوتی اور بجلی کی پیدائش فوراً ختم ہو جاتی ہیں۔ گویا انسانی جسم مادہ و قوت اور روح کا مرکب ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو مادہ روح کا فرق کثافت اور لطافت کا ہے اور ان کا تعلق ہمیشہ قوتوں سے قائم رہا ہے۔ مادہ بغیر صورت کے نظر نہیں آسکتا اس کی یہ صورتیں عناصر و ارکان کی شکل میں ہوں یا موالید ثلاثہ کے جسم میں پائی جائیں لیکن اپنی صورت میں نظر نہیں آسکتا۔ مادہ اپنی شکل و صورت میں ایک جسم ضرور ہے مگر وہ ایک ہیولیٰ ہے جس کو مادہ کی ابتدا کہنا چاہئے۔ جب ہیولیٰ کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس کی اصل بھی قوت اور روح پر ختم ہو جاتی ہے۔ گویا مادہ کے اندر بھی روح کارفرما ہے جس طرح مادہ کا اظہار صورت سے ہوتا ہے روح کا اظہار عمل اور حرکت سے ہوتا ہے۔

## جسم خود کار روح ہے

ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مادہ میں روح ہوتی ہے جیسے جسم میں مادہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک جسم وہ ذی حیات ہو یا غیر ذی حیات اپنے اندر ایک روح اور خاص قسم کی زندگی رکھتا ہے یہاں تک کہ ہر ذرہ زمین اپنے اندر ایک نظام زندگی رکھتا ہے اور ایٹم (ابتدائی ذرہ) کی جدید تحقیقات نے بھی اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ ہر ذرہ اپنے اندر نظام شمسی رکھتا ہے جو بذات خود ایک زندگی ہے اس لئے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر جسم اپنے اندر روح رکھتا ہے اور دوسر طرف یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی ہے کہ ہر جسم حیات اور ظاہری طور پر غیر ذی حیات بے شمار ذرات کا مجموعہ ہے۔ دونوں حقائق کو اگر ملا یا جائے تو ایک نئی تیسری حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ ہر جسم زندگی اور روح رکھنے والے ذرات کا مجموعہ ہے۔

## روح ایک امر ناگزیر ہے

مندرجہ بالا حقائق سے یہ حقیقت ثابت ہو گئی ہے کہ روح ایک امر ناگزیر ہے۔ جو جسم کی قوت سے فطرت کے مطابق عمل کرنے سے جاری ہوتا رہتا ہے اور یہی "من امر ربی" ہے۔ اگر اجسام اپنی صحیح شکل میں اپنی قوتوں کو پیدا کریں اور وہ قوتیں فطرت کے عمل کے مطابق اپنا عمل جاری رکھیں تو روح نہ صرف عدم سے امر خداوندی کے مطابق پیدا ہوتی رہتی ہے بلکہ ارتقار کی منزلیں بھی طے کرتی ہے بالکل اسی طرح جیسے اجسام کے خواص ہیں ان کے مطابق ارواح کے بھی خواص قائم کر دیئے گئے ہیں۔ گویا اجسام اور قوتوں کے اعمال سے ارواح کا ظہور یقینی ہے اگر اجسام ختم ہو جائیں گے تو نہ قوتیں پیدا ہوں گی اور نہ ہی روح امر ہو گی اور موت وارد ہو جائے گی۔ بس اسی عمل و ردعمل کو قرآن لفظ "دین" کہتا ہے۔ گویا زندگی اور کائنات کی روحیں فطرت اور قدرت کے مطابق عمل ردعمل پر قائم ہیں۔ یہی ارواح کی حقیقت ہے۔ اگر فرنگی طب اور ماڈرن سائنس تسلیم نہ کرے تو ہمارا چیلنج قبول کرلے ہم ان کی تشفی کرنے کے لئے تیار ہیں۔

# ۶- قویٰ

**قوت کی تعریف** قوت وہ شے ہے جو فعل کا بالذات مبداء اور مرکز ہو جس سے طبی روح کے افعال صادر ہوں۔ یعنی قوت خود کار شے ہے جو روح کے واسطے سے اپنا عمل کرتی ہے۔

**قویٰ کے اقسام** شیخ الرئیس لکھتے ہیں۔ "وھی ثلثۃ اقسام طبعیۃ وھی فی الکبد وحیوانیۃ وھی فی القلب ونفسانیۃ وھی فی الدماغ۔" (قوتوں کی تین قسمیں ہیں (۱) قوت طبیعیہ جو جگر میں ہے (۲) قوت حیوانیہ جو قلب میں ہے (۳) قوت نفسانیہ جو دماغ میں ہے)

یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ دنیا کی ہر قوت کا منبع حرکت ہے۔ اس حرکت سے دوسری قوت پیدا ہوتی ہے جس کو حرارت کہتے ہیں اور پھر اس سے تیسری قوت کا ظہور عمل میں آتا ہے اس کو غذائیت کہتے ہیں۔ ان قویٰ کو ماڈرن سائنس میں علی الترتیب (۱) فورس (۲) ہیٹ (۳) انرجی کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں تین ہی قسم کی طاقتیں پائی جاتی ہیں۔ قویٰ کے تین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بدنی قوت کا فعل دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا وہ شعوری ہوگا یا غیر شعوری ہوگا۔ اگر شعور کے ساتھ ہوگا تو وہ قوت نفسانیہ ہے۔ اگر شعور کے ساتھ نہ ہوگا تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ حیوان کے ساتھ خاص ہوگا۔ یا نہ ہوگا۔ اگر حیوان کے ساتھ خاص ہے تو اس کا نام قوت حیوانیہ ہے اگر اس کے ساتھ خاص نہیں ہے تو اس کا نام قوت طبیعیہ ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تین قوتیں کیوں ضروری ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ قوت حیوانیہ اس لئے ضروری ہے کہ بدن انسان عناصر سے مرکب ہے اور ہر ایک عنصر قدرتاً الگ ہونے اور متعفن ہونے کا میلان رکھتا ہے۔ اس لئے ایسی قوت کی ضرورت ہے جو ان کو الگ ہونے سے روکے اور متعفن نہ ہونے دے۔ اسی کا نام قوت حیوانیہ ہے

قوت نفسانیہ اس لئے ضروری ہے کہ اسی سے اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے اگر یہ نہ ہو تو ہمیں نہ غذا کا علم ہو اور نہ آگ اور زہر کی تمیز ہو اور نہ ہم کسی مضاد حیات سے بچ سکتے ہیں اور نہ کسی مفید چیز کی طلب کر سکتے ہیں۔

قوت طبیعیہ اس لئے ضروری ہے کہ بدن حرارت و رطوبت سے مرکب ہے اور رطوبت جب حرارت سے ملتی ہے تو بخارات بن کر تحلیل ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے کسی ایسی قوت کی ضرورت ہوتی ہے جو اس تحلیل کا عوض حاصل کرتی رہے۔ ورنہ چند دنوں میں انسان فنا ہو جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس بدن میں جو قوت ہوتی ہے وہ اس کے نظام کو قائم رکھتی ہے جس کے ساتھ وہ فطری طور پر اس میں اصلاح و تدبیر بھی کرتی رہتی ہے۔ اگر قوت میں یہ خوبی نہ ہو تو وہ جسم قائم نہ رہ سکے۔ اسی حقیقت کے تحت انسان کے اندر بھی جو قوت ہے وہ اصلاح و تدبیر اور نظام میں مصروف ہے۔ اس کو قوت مدبرہ بدن یا نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو وائٹل فورس کہتے ہیں۔ یہ وائٹل فورس جسم انسان میں تین مخصوص کام کرتی ہے جن کا تعلق اعضائے رئیسہ سے ہوتا ہے جو قوت مدبرہ بدن کے تحت اس کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان کے نام اور اوصاف حسب ذیل ہیں۔

**۱۔ قوت طبعی** جو قوت جسم میں غذا اور نشو و نما کے کام انجام دیتی ہے اس کو قوت طبعی کا نام دیتے ہیں۔ اور انگریزی میں نیچرل فورس کہتے ہیں جس کا مقام جگر ہے۔

**۲۔ قوت نفسانی** جو قوت جسم میں احساسات اور تحریکات کا باعث ہوتی ہے

اسس کو قوت نفسانی کا نام دیتے ہیں اور انگریزی میں اسس کو مینٹل فورس کہتے ہیں۔ اسس کا مقام دماغ ہے ۔

**۳۔ قوت حیوانی** | جو قوت جسم میں حرکات و افعال قائم رکھتی ہے اسس کو قوت حیوانی کا نام دیتے ہیں اور انگریزی میں اسے اینی مل فورس کہتے ہیں۔ اسس کا مقام قلب ہے۔

دراصل یہ تینوں قوتیں ایک ہی قوت کے تین مظہر ہیں جو تین مختلف مراکز میں تقسیم کر دی گئی ہیں تاکہ ان کے تعلق سے وہ ایک دوسری کے ساتھ کام کر سکیں کیونکہ قدرت نے ہر عضو کے افعال میں اسس کی ایک جبلت (انسٹنکٹ) پیدا کر دی ہے جس کے تحت وہ قائم اور جاری ہے۔

**قوت طبیعیہ کے اقسام** | شیخ الرئیس لکھتے ہیں "۔ اما القوۃ الطبیعیۃ فتنقسم الی قسمین مخدومہ وخادمۃ اما المخدومۃ فتنقسم الی ما یتصرف فی الغذاء لبقاء الشخص وھی الغاذیۃ والنامیۃ والی ما یتصرف فی الغذاء لبقاء النوع وھی المولدۃ والمصورۃ"۔

(قوت طبیعیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مخدومہ (۲) خادمہ۔ پھر مخدومہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جو بقائے شخص کے لئے غذا میں تصرف کرتی ہے اور اسس کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) غاذیہ (۲) نامیہ۔ دوسری قسم وہ ہے جو غذا میں بقائے نوع کے لئے تصرف کرتی ہے اسس کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) مولدہ (۲) مصورہ ج

ان کی تشریح شیخ الرئیس اسس طرح بیان کرتے ہیں "واما الغاذیۃ فھی التی تحیل الغذاء الی مشابھۃ المغتذی لیخلف بدل ما یتحلل منہ۔ واما النامیۃ فھی التی تتزید فی اقطار الجسم علی التناسب الطبیعی لیبلغ علی تمام النشوء، واما المولدۃ فعلی نوعین نوع یحصل المنی فی الذکور الاناث ونوع اخر یفصل القوی التی فی المنی فیمزجھا تمزیجات مختلفۃ بحسب کل عضو ونسمی المغیرۃ الاولی۔ واما المصورۃ فھی التی تصدر فیھا تخطیط الاعضاء وتشکیلاتھا ونسمی المغیرۃ الثانیۃ۔ واما الخادمۃ فھی الجاذبۃ والماسکۃ والھاضمہ والدافعۃ للثفل"۔ (غاذیہ وہ قوت ہے جو غذا کو بدل کر مغتذی کے مشابہ کر دیتی ہے۔ تاکہ یہ غذا اسس چیز کا عوض اور بدل بن جائے جو اسس عضو سے تحلیل ہو گئی ہے۔ نامیہ وہ قوت ہے جو جسم کو طبعی تناسب میں بڑھاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ جسم اپنی پوری بڑھوتری تک پہنچ جاتا ہے مولدہ دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے جو مرد و عورت میں منی کو پیدا کرتی ہے اور دوسری قوت وہ ہے جو ان قوتوں کو جدا جدا کرتی ہے جو منی میں موجود ہوتی ہیں اور پھر ان قوتوں کو مختلف ترکیبوں سے ہر عضو کے مطابق ترتیب دیتی ہے اسس کا نام مغیر اولیٰ ہے۔ مصورہ وہ قوت ہے جو اعضاء کے خط و خال اور شکل و صورت پہناتی ہے۔ اسس کا نام مغیر ثانیہ ہے۔ قوت خادمہ کی چار قسمیں ہیں جن کو (۱) جاذبہ (۲) ماسکہ (۳) ہاضمہ (۴) دافعہ کہتے ہیں)

یہاں پر یہ حقیقت ذہن نشین کر لیں کہ قوت غاذیہ کے فعل اور قوت نامیہ کے فعل میں یہ فرق ہے کہ تغذیہ میں انسانی جسم کی کمی جو گرمی اور حرکت وغیرہ سے تحلیل ہو جاتی ہے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے اسس پر اضافہ نہیں ہوتا اور تنمیہ میں اعضاء پہلی حالت سے بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بڑھ کر جوان ہو جاتا ہے مگر یہ یاد رہے کہ قوت نامیہ اعضاء کو اسی تناسب سے اور اسی حد تک بڑھا سکتی ہے جس حد تک قد و قامت ہو سکتا ہے جس کی کم و بیش ایک حد ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ نامیہ کا فعل ہمیشہ جاری رہتا ہے اور اعضاء ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کا بدن ایک ہاتھی کے برابر ہو جائے۔ نیز نامیہ

تینوں قطروں (لمبائی۔ چوڑائی۔ موٹائی) میں بڑھتا ہے۔ اگر صرف فربہی آجائے اور لمبائی میں اضافہ نہ ہو جیسا کہ توند والے فربہ لوگوں میں پایا جاتا ہے تو وہ نامیہ کا فعل نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ وہ غاذیہ کے افعال میں داخل ہوگا۔

قوت مولدہ کے تحت جو دو قوتیں بیان کی گئی ہیں اول محصلہ (جمع کرنے والی) دوسرے مفصلہ (جدا جدا کرنے والی) ان کی توضیح یہ ہے کہ منی گو ایک چیز ہے پھر اس میں دو جدا جدا قوتیں کیسے پائی جاتی ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اسی سے ہڈی جیسے سخت اعضا بھی بنتے ہیں اور گوشت جیسے نرم اعضا بھی بن جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ منی اگرچہ دیکھنے میں بظاہر ایک جیسی معلوم ہوتی ہے مگر دراصل اس کے اندر مختلف قسم کے اجزا پائے جاتے ہیں اور ان اجزا کے اندر مختلف کیفیات پائی جاتی ہیں جو تمام اپنی اپنی جگہ مختلف قوتیں ہیں۔ اور ہر قوت اپنی اپنی جگہ کام کرتی ہے جیسے خون میں مختلف اجزا ہوتے ہیں اور وہ مختلف اعضا کی غذا بنتے ہیں۔

### فرنگی طب کا اعتراض

فرنگی طب کو اعتراض ہے کہ تمام اعضا کی قوت غاذیہ و نامیہ کا مرکز جگر ہے۔ بلکہ تمام اعضا کے اندر قدرتی طور پر قوت غاذیہ و نامیہ موجود ہوتی ہے۔ جو شریانی خون کی دوامی آمد سے قائم رہتی ہے۔

### طب قدیم کا جواب

جاننا چاہئے کہ شریانی خون اس وقت تک غذا نہیں بن سکتا جب تک وہ شریان سے جسم پر ترشح نہ پائے۔ ترشح کا عمل شریانوں کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ کام ان غدد کے ذمہ ہے جو شریانوں کے سروں پر لگے ہوتے ہیں جو جگر کے تحت کام کرتے ہیں اور ان کی بناوٹ جگر جیسی ہے اس لئے ثابت ہوا کہ قوت غاذیہ و نامیہ کا مرکز جگر ہے۔

### طب فرنگی کا اعتراض

فرنگی طب اعتراض کرتی ہے کہ قوت مصورہ



جس کا کام جنین کی شکل و صورت بنانا ہے۔ یہ قوت رحم میں ہوتی ہے یعنی مادہ منی کے اندر جو شکل و صورت پیدا ہوتی ہے یہ قوت اس میں رحم سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ تسلیم کرتی ہے کہ قوت مصورہ براہ راست نطفہ میں ہوتی ہے جو زن و مرد کے مادہ تولید کے ملنے سے بنتا ہے جس طرح انڈوں میں ہوتی ہے۔ مرغی کے انڈے اگر مناسب گرمی میں رکھے جاتے ہیں تو بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ رحم محض تغذیہ جنین کا بہترین مقام ہے۔

### طب قدیم کا جواب

اول تو انسانی نطفہ کو مرغی کے انڈے سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ اس کے اندر ہی اس کی غذائیت کا انتظام ہے۔ دوسرے انسانی نطفہ کے لئے غذا اور حرارت کے ساتھ احساس و شعور کی بھی ضرورت ہے جو رحم کی بجائے کہیں اور حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر صرف غذائیت اور حرارت کی ضرورت ہوتی تو اب تک مشینی یا بوتل کا انسان بن چکا ہوتا۔ یہی احساس و شعور ہے جو شکل و صورت کو ترتیب دیتا ہے۔

### قوت حیوانیہ

شیخ الرئیس لکھتے ہیں: "واما الحیوانیۃ فھی التی تفعل انبساط القلب والشرائین وانقباضھا للترویح واخراج الابخرۃ الدخانیۃ وبھا یکون حرکۃ الخوف والغضب"۔ (قوت حیوانیہ وہ قوت ہے جو قلب و شرائین میں پھیلاؤ اور سکیڑ پیدا کرتی ہے جس سے اس کو ترویح اور بخارات دخانیہ کا اخراج ہوتا ہے اور اسی سے ڈر اور غصہ کی حرکت ظاہر ہوتی ہے)

اس امر کو یاد رکھیں کہ ڈر اور غصہ میں اخلاط اور روح اور خون میں حرکت ہوتی ہے چنانچہ ڈر میں جب چہرہ سفید ہو جاتا ہے تو اس میں روح اور خون باہر سے اندر چلے جاتے ہیں اور غصہ میں جب چہرہ لال ہو جاتا ہے تو خون اور روح باہر کی طرف تیز ہو جاتے ہیں۔

قوت حیوانی ایسی قوت ہے جو اعضا کو نفسانی قوت کے قبول کرنے پر آمادہ کرتی

ہے اور اسس کو حرکت کے قابل بنا دیتی ہے۔ فی الحقیقت یہی قوت بدن کو حیات بخشتی ہے اور زندہ رکھتی ہے۔ روح حیوانی اسی کی حامل ہے اور حرارت غریزی اسس سے قائم ہے

## حرارت غریزی پر اعتراض

فرنگی طب حرارت غریزی پر یہ اعتراض کرتی ہے کہ بدن کی حرارت کسی خاص قدرتی جوہر سے نہیں ہے بلکہ جو غذائیں ہم کھاتے ہیں اسس کے مخصوص اجزا نسیم (آکسیجن) سے مل کر جلتے ہیں جس سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ غرض بدنی حرارت کا دار و مدار غذا پر ہے اور یہ حرارت مسلسل ہر وقت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ غذا کے وہ اجزا جو منتقل ہو کر بدن کے اندر ہر وقت حرارت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان میں روغن، شکر، گوند اور نشاستہ خصوصیت سے اہمیت رکھتے ہیں۔

## طب قدیم کا جواب

طب قدیم تین قسم کی حرارت کو تسلیم کرتی ہے (۱) حرارت اصلیہ وہ حرارت جو انسانی جسم کی پیدائش کے نطفہ میں ہوتی ہے۔ اسس کو حرارت غریزی کہتے ہیں جو زندگی تک قائم رہتی ہے اور اسس کے ختم ہو جانے یا بجھ جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ زندگی بھر یہ حرارت دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسس پر دلیل یہ ہے کہ اگر یہ پیدا ہو سکتی تو نہ بڑھاپا آتا اور نہ ہی موت واقع ہوتی۔ اسس کی مثال حکما نے چراغ میں بتی کی دی ہے جس پر چراغ کی زندگی قائم ہے۔

(۲) حرارت بدنیہ جو صحیح غذا کھانے کے بعد صحت کی حالت میں پیدا ہوتی رہتی ہے اور جسم کی صحت کو قائم رکھتی ہے اور امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔

(۳) حرارت غریبہ وہ حرارت ہے جو جسم کے مواد کے بھڑک اٹھنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ فساد و خمیر اور تعفن سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ حرارت بھی حرارت بدنیہ کی غیر حاضری میں اسس کی حفاظت کرتی ہے جس کو ہم بخار کہتے ہیں۔

ان کے فرق کو اسس طرح سمجھ لیں کہ ماڈرن سائنس تسلیم کرتی ہے کہ اسس میں دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہوتی ہے۔ پانی چاہے درجہ انجماد تک ٹھنڈا کر لیا جائے پھر بھی اسس میں آکسیجن قائم رہے گی۔ کیونکہ پانی اسس کی ترتیب پر ہی قائم ہے۔ اور اگر پانی کو کھولاؤ کے مقام تک بھی گرم کر لیا جائے تو بھی پانی میں آکسیجن قائم ہے۔ بلکہ پانی میں جو بخارات پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی آکسیجن قائم رہتی ہے۔ یہی اسس کی حرارت اصلیہ (غریزی) ہے جس نے اسس کو پانی کی شکل دی ہے اور جس حرارت سے وہ پانی گرم ہوتا ہے وہ حرارت بدنیہ ہے جو اسس کو پہنچائی گئی ہے۔ تیسری حرارت وہ ہے جب پانی میں فساد ہو کر اسس میں حرارت غریبہ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ فساد اسس کے اندر خمیر سے بھی پیدا ہو سکتا ہے اور ہائیڈروجن کے جلنے پر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی فساد ہی سے آجکل ہائیڈروجن بم پیدا کیا گیا ہے۔ اسس کا تجربہ ہم پٹرول کو آگ لگا کر اسس پر پانی ڈال کر کر سکتے ہیں۔ فرنگی طب کی غلط فہمی صرف اسس لئے ہے کہ وہ فزکس (طبیعیات)، اور کیمسٹری (کیمیا) کے مسائل کو باہم ملا کر نہ نتائج اخذ کر سکتی ہے اور نہ دونوں کے تعلق کو قائم رکھ سکتی ہے۔

جہاں تک روغن، شکر، گوند اور نشاستہ کا تعلق ہے ان کے اندر جو حرارت ہے ان کے اثرات و افعال سے بھی وہ بے خبر ہے۔ کیونکہ ہر شے جدا قسم کی ہے۔ اسس کے عناصر جدا ہیں اور وہ جدا قسم کی حرارت پیدا کرتی ہے۔ دلیل کے لئے ہم ایٹم بم۔ نائٹروجن بم اور ہائیڈروجن بم کو پیش کرتے ہیں۔ کیا کوئی ان کی حرارت کو ایک ہی قسم کی ثابت کر سکتا ہے۔ پھر اگر لطافت کے اعتبار سے حرارت کو دیکھنا شروع کر دیں تو ہم آگ و بجلی اور ایکس ریز و کاسمک ریز تک جا سکتے ہیں جن کے بین فرق سے کوئی فرنگی ڈاکٹر اور سائنس دان انکار نہیں کر سکتا۔ ہم ان کو نہ صرف غیر معمولی حقائق معلوم ہوں گے بلکہ ان کو اپنی غلطیوں کا علم بھی ہو جائے گا۔ یہی فطرت ہے۔

یاد رکھیں کہ طب قدیم حرارت غریزی کی حقیقت کو بدن کے اندر اسس کی

پیدائش کے وقت ایک ایسا جوہر قدرتی طور پر سپرد کر دیا گیا ہے جو بدن کے اندر ہر وقت گرمی پہنچاتا رہتا ہے۔ اس جوہر کا مرکز قلب ہے۔ یہ جوہر جوانی کے بعد سے کم ہونا شروع ہوتا ہے اور بڑھاپے تک بتدریج کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب یہ بالکل ختم ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس جوہر کو قوت "حرارت غریزی" کہتے ہیں۔ جو دوبارہ پھر کسی صورت سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک غذائی حرارت کا تعلق ہے اس کے متعلق فرنگی طب تسلیم کرتی ہے کہ غذا جزو بدن بھی بنتی ہے اور تولید حرارت کے لئے بھی مواد مہیا کرتی ہے جو ایندھن کا کام دیتی ہے۔ طب قدیم نے غذائی حرارت (بدنی حرارت) کو اس طرح بیان کیا ہے کہ غذا جزو بدن بنتی ہے اور اعضائے بدن کے جو اجزا تحلیل ہوتے رہتے ہیں ان کا بدل اور قائم مقام بن جاتی ہے۔ گویا اس غذائی حرارت کا حرارت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ امر بھی ذہن نشین کر لیں کہ طب قدیم میں غذا کا تعلق جگر سے ہے اور جگر حرارت پیدا کرتا ہے۔ گویا جسم انسان کی اصل غذا حرارت ہے۔ ماڈرن سائنس اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی۔

**قوت نفسانیہ** قوت نفسانی ایک ایسی قوت ہے جو جسم انسان میں احساس اور ادراک کرتی ہے اور ضرورت کے وقت حرکت کے لئے تحریک کرتی ہے اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ حیوان اور انسان مضر اشیا سے بھاگ سکے اور مفید و نفع بخش چیزوں کے قریب آ سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان تحریکات کے لئے مفید و مضر باتوں کا احساس و ادراک ضروری ہے۔

**قوت نفسانیہ کی تقسیم** شیخ الرئیس لکھتے ہیں "و اما النفسانیة فتنقسم الی مدرکة و محرکة۔ اما المدرکة فتنقسم الی ماھو فی الظاھر و الی ماھو فی الی لباطن۔ اما التی



فی الظاھر فھو السمع و البصر و الشم و الذوق و اللمس۔ و اما التی فی الباطن فالحس المشترک و الخیال و المتصرفة و الوھم و الحافظة"

(قوت نفسانی مدرکہ اور محرکہ میں تقسیم ہوتی ہے۔ پھر مدرکہ قوت ظاہری اور قوت باطنی میں تقسیم ہوتی ہے۔ قوت ظاہری میں (۱) سامعہ (۲) باصرہ (۳) شامعہ (۴) ذائقہ اور (۵) لامسہ ہیں۔ اور قوت باطنیہ میں (۱) حس مشترک (۲) خیال (۳) متصرفہ (۴) وہم اور (۵) حافظہ ہیں) 173

جاننا چاہئے کہ قوت مدرکہ ظاہری کو حواس خمسہ ظاہری بھی کہتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے باہر کی معلومات دماغ کی اندرونی قوتوں تک پہنچاتے ہیں جو تمام اپنی جگہ بھی قوی ہیں۔

(۱) قوت سامعہ (سننے کی قوت)۔ (۲) قوت باصرہ (دیکھنے کی قوت)۔ (۳) قوت شامہ (سونگھنے کی قوت)۔ (۴) قوت ذائقہ (چکھنے کی قوت) اور (۵) قوت لامسہ (چھونے کی قوت)۔

اسی طرح قوت مدرکہ باطنی جسے حواس خمسہ باطنی بھی کہتے ہیں ایسی قوت ہے جو حواس خمسہ ظاہری کے احساسات اور ایسے تاثرات کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس ظاہری محسوس نہیں کر سکتے۔ یہ بھی اپنی جگہ قوی ہیں۔

(۱) حس مشترک وہ قوت ہے جو حواس خمسہ ظاہری کے احساس کی ہوئی چیزوں کو ضرورت کے وقت دوبارہ بغیر ان چیزوں کی موجودگی کے محسوس کرتی ہے اور تصور کرتی ہے۔

(۲) قوت خیال وہ قوت ہے جو قوت حس مشترک کے خزانے کا کام کرتی ہے یعنی اس کے تمام احساسات خزانہ خیال میں محفوظ رہتے ہیں۔

(۳) قوت متصرفہ جس کو متخیلہ اور مفکرہ بھی کہتے ہیں ایسی قوت ہے کہ اگر

وہ حس مشترک کے احساسات کا اظہار کرے تو اس کو متخیلہ کہتے ہیں ۔اور اگر قوت واہمہ کے ادراکات کا اظہار کرے تو اس کو مفکرہ کہتے ہیں۔

(۴) قوت واہمہ وہ قوت ہے جو ان معانی کا ادراک کرتی ہے جن کو حواس خمسہ ظاہری احساس نہیں کر سکتے۔ مثلاً کسی لفظ کے معنی جاننا جیسے رب کے معنی خدا کئے جاتے ہیں یا کسی شخص کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ دوست ہے یا دشمن ہے۔

(۵) قوت حافظہ وہ قوت ہے جو وہم کے ادراکات کو محفوظ کرتی ہے اور ضرورت کے وقت اس کو پھر ادراک کرتی ہے۔

یہاں پر اس حقیقت پر غور کریں کہ حواس خمسہ ظاہری صرف ظاہری اشیاء کا احساس ہی کر سکتے ہیں لیکن جو واردات اور معنی انسانی ذہن میں تاثرات پیدا کرتے ہیں ان کا احساس نہیں کر سکتے۔ ان کو صرف حواس خمسہ باطنیہ ہی ادراک کر سکتے ہیں انہی کے تحت ہی قوت عقل کام کرتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت عقل کیا ہے ؟

**قوتِ عقل** یہ ایک ایسی قوت ہے جو اشیاء کی صحیح حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لئے فیصلہ کرتی ہے اور اس کا یہ عمل احساس اور ادراک سے حاصل شدہ تاثرات میں ہوتا ہے۔ اس لئے قوت عقل کو قوت متخیلہ اور قوت متفکرہ بھی کہتے ہیں جب یہ احساس (حواس خمسہ ظاہری) کے تاثرات میں اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے تو اس کو قوت متخیلہ کہتے ہیں اور جب یہ ادراکی (حواس خمسہ باطنی) کے تاثرات میں اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے تو اس کو قوت متفکرہ کہتے ہیں۔ جن تاثرات کا عقل فیصلہ کر لیتی ہے بس یہی اس کا علم ہوتا ہے۔ اس علم کی صحت کا دار و مدار صحیح مشاہدات اور صحت مند تجربات پر قائم ہے۔ پھر زندگی بھر انسانی معلومات کا خزانہ اسی علم و عقل اور مشاہدات و تجربات سے بڑھتا رہتا ہے۔ انسان کے مشاہدات و تجربات جس قدر فطرت اور قدرت کے قریب ہوتے ہیں اور علم و عقل کے فیصلے جس قدر صحت مندی کے قریب ہوں گے، اسی قدر انسان حقیقت کے قریب ہوگا۔ اس لئے حقیقت کے قریب پہنچنے تک حواس خمسہ ظاہری اور باطنی کا صحیح ہونا از بس ضروری ہے۔ اس حقیقت کو بھی یاد رکھیں کہ حقیقت کے قریب پہنچنے کے لئے صرف مشاہدات و تجربات کافی نہیں ہیں بلکہ اس علم کی بھی ضرورت ہے جو عقل کی روشنی میں حاصل ہوا ہے اور قوت خیال اور قوت حافظہ میں محفوظ ہے کیونکہ یہی ادراکات اور مشاہدات اور تجربات کو قبول کرتے ہیں اور قبول کرنے کا کام قوت حیوانیہ کے سپرد ہے جو اعضاء کو نفسانی تحریکات کو قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اسے حرکت کے قابل بناتی ہے۔ فی الحقیقت یہی قوت بدن کو حیات بخشتی اور زندہ رکھتی ہے۔ روح حیوانی اسی کی حامل ہے اور حرارت غریزی اسی سے قائم ہے یا اس طرح سمجھ لیں کہ قوت نفسانی سے مشاہدات و تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ اور قوت حیوانی سے وہ قبول ہو کر علم و حقیقت بن جاتے ہیں۔ اس لئے سائنس کے ساتھ فلسفہ بھی ضروری ہے جو علم اور عقل کا خزانہ ہے اور اشیاء کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے اور انسان کے اندر وجدانی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ 166

**قوت کی حقیقت** سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوت کی حقیقت کیا ہے ؟ قوت کے متعلق یہ امر ذہن نشین کر لیں کہ قوت کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کو ہم مادی طور پر محسوس کر سکیں۔ اس کا اظہار ہمیشہ کسی طاقت کے فعل سے ہوتا ہے۔ ہم زیادہ تر اس کا ادراک کرتے ہیں۔ البتہ بعض حالتوں میں لمس سے بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ انسان میں جب قوت قائم ہوتی ہے تو حواس خمسہ ظاہری اور باطنی میں احساسات اور ادراکات کے علاوہ غور و فکر، جرأت و بہادری اور عقل و حرکات جسم کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جوں جوں انسان میں قوت کی کمی واقع ہوتی جاتی ہے تو اس کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اس میں حس و حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کو موت کہتے ہیں لیکن

اسس کے حیوانی ذراتِ جسم میں زندہ ہوتے ہیں۔ جب ان میں فساد و خمیر اور تعفن پیدا ہوتا ہے تو ان کی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی اسس کے غیر حیوانی ذرات میں زندگی باقی رہتی ہے۔ یہ وہ زندگی ہے جو ایٹم کی زندگی کہلاتی ہے۔

انسانی زندگی کے علاوہ جب ہم کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کائنات میں ہم جن اشیاء کو قوت کہتے ہیں یا جن اشیاء میں قوت نظر آتی ہے وہ آگ، روشنی، نور، برق، حرارت، ہوا کا دباؤ اور پانی کی تیزی ہے اور انہی اشیاء پر کائنات قائم ہے۔ کائنات میں قوت کے جو مظاہر ہیں ان میں شدت کے لحاظ سے بجلی کو سب پر اہمیت حاصل ہے۔ اسس کی گھن گرج، برق رفتاری اور جلا کر فنا کر دینے کی تیزی کا مقابلہ نہیں ہے۔ انسان نے جب بجلی کے یہ کارنامے دیکھے تو عقل سے اسس کو ایجاد کر لیا اور اسس سے اپنی خدمات حاصل کرنی شروع کر دیں۔ یہی بجلی اب اسس کے گھر میں روشنی کرتی ہے۔ اسس کا پنکھا چلاتی ہے۔ کمروں کو گرم اور سرد رکھتی ہے۔ کھانا تیار کرتی ہے۔ دیگر ہزاروں مشینیں چلانے کے علاوہ اسس کی تفریح کے لئے ریڈیو بھی چلاتی ہے۔ نہ صرف موجودہ دور کی سب سے بڑی قوت ہے بلکہ ہر زمانے میں یہی قوت سب سے بڑی قوت تسلیم کی جائے گی۔ ایٹم کی قوت میں اسی کا اظہار ہے۔

**بجلی کے اقسام** | بجلی تین اقسام سے پیدا ہوتی ہے۔ (۱) بیٹری میں پیدا ہوتی ہے۔ جو کیمیاوی طور پر تیار کی جاتی ہے۔

(۲) ڈائنامو سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ مشینی طور پر رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔

(۳) نظامِ کشش ثقل سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ذرات کی گردش سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی پر نظامِ شمسی اور دیگر ستارگان قائم ہے۔ ان کی تفصیل ہم اپنی کتاب تحقیقات اعادہ شباب میں لکھ چکے ہیں۔

**جسم انسان خود برقی سرکٹ ہے** | جسم انسان میں بھی انہی تینوں صورتوں سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ ہر حیوانی ذرہ (سیل) ایک مخفف الیکٹرک سیل ہے جس میں بجلی محفوظ رہتی ہے۔ چونکہ اعضائے رئیسہ تین ہیں اور انہی پر زندگی قائم ہے۔ اسس لئے بجلی کی تینوں اقسام ان میں جدا جدا ہیں۔

۱۔ پہلا بجلی کا نظام جو کشش ثقل کے تحت کام کرتا ہے وہ دماغ اور اعصاب کے خلیات میں قائم ہے۔

۲۔ دوسرا بجلی کا نظام جو حرکت و رگڑ کے تحت کام کر رہا ہے وہ قلب و عضلات کے خلیات میں قائم ہے۔

۳۔ تیسرا بجلی کا نظام جو کیمیاوی طور پر کام کر رہا ہے وہ جگر و غدد کے تحت کام کر رہا ہے۔

یہ تینوں قوتیں (۱) قوت حس (۲) قوت حرکت (۳) قوت حرارت (انرجی ایکشن، ہیٹ) اپنی اپنی جگہ کام کر رہی ہیں اور ضرورت کے وقت قوت کا اخراج کرتی ہیں۔ اسس طرح جسم کے مختلف اعضاء اپنے حیوانی ذرات (سیلز) سے مختلف قویٰ کے تحت مختلف اشیاء پیدا کرتے ہیں۔ اعصابی خلیات رطوبات (انرجی) عضلاتی خلیات گیسز (فورس) اور غدی خلیات حرارت (ہیٹ) پیدا کرتے ہیں۔ اسس طرح ان کے مرکب سے خون اور اخلاط تکمیل پاتے ہیں۔ یہ سلسلہ بجلی کی طرح ان سیلز (خلیات) سے ہر گھڑی پیدا ہو کر انسانی زندگی و قوت اور صحت قائم رکھتے ہیں۔ گویا بجلی کا ایک نظام (سرکٹ) قائم ہے جو قوتی کو پیدا اور خارج کر رہا ہے۔ کیا ماڈرن سائنس اور فرنگی طب ان حقائق سے انکار کر سکتی ہے۔ یہ ہماری وہ تحقیقات ہیں جن کے لئے ہم ان کو چیلنج کرتے ہیں۔

**راز کی بات** | یہاں پر ایک راز کی بات سمجھ لیں کہ یہ تینوں قوتیں (بجلی) باہم مل کر کام کرتی ہیں۔ ان کا باہمی گہرا تعلق ہے اور ان میں

ضرورت کے مطابق اعتدال رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے خون کے اجزا رجسم میں ایک خاص اعتدال کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ اگر ان قویٰ میں کمی بیشی یا کمزوری واقع ہو جائے تو اعضاء کے افعال بگڑ جاتے ہیں اور صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ بس اسی حالت کا نام مرض ہے۔ جب اعضاء کے افعال درست ہو جائیں۔ یا خون کے اجزا مکمل ہو جائیں یا یہ قوتیں (کجلی) اپنے افعال اعتدال سے انجام دیں تو مرض رفع ہو جاتا ہے اور اس کا نام صحت ہے۔



مقام غور یہ ہے کہ طب قدیم میں ارکان سے لے کر قویٰ تک کس قدر خوبی کے ساتھ ایک دوسرے کو بُن دیا جاتا ہے کہ اگر ان میں سے ایک اپنی جگہ سے بگڑ جائے یا خراب ہو جائے یا ان میں کمی بیشی ہو جائے تو اس طرح سارا نظام (سرکٹ) قائم نہیں رہ سکتا۔ یہی زندگی و قوت اور صحت کا راز فرنگی طب کو قطعی معلوم نہیں ہے۔

---

# ۷۔ افعالؒ

## تعریف افعال

افعال جمع فعل کی ہے۔ فعل وہ امر ہے جو قوت سے عمل میں آتا ہے۔ اور کسی عضو کی حرکت سے سرزد ہوتا ہے۔ یعنی اپنی حالت سکون سے حرکت میں آ کر اپنے مقررہ افعال انجام دیتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب قویٰ کا وجود جسم اور اعضاء کے لئے ضروری ہے تو افعال بھی اس کے لئے ضرور ہوں گے۔ اس لئے جسم اور اعضا کا وجود بلا ان تینوں قسم کے افعال قویٰ کے ناممکن ہے۔ یعنی افعال کے بغیر قویٰ بیکار ہیں۔

## افعال کی تقسیم

شیخ الرئیس لکھتے ہیں۔" امّا الافعال فتنقسم الیٰ مفرد و مرکب۔ امّا المفرد فھو الذی یتم بقوۃ واحدۃ کالجذب الامساک والھضم الدفع۔ و امّا المترکب فھو الذی یتم بقوتین فصاعد النفوذ الغذاء فانہ یتم بقوتین الجاذبۃ والدافعۃ۔" (افعال دو قسم ہوتے ہیں (۱) مفرد (۲) مرکب۔ افعال مفرد وہ ہیں جو صرف ایک قوت سے پورے ہو جاتے ہیں۔ جیسے جذب، امساک، ہضم اور دفع۔ افعال مرکب وہ ہیں جو دو قوتوں یا دو سے زیادہ قوتوں سے انجام پاتے ہیں۔ جیسے نفوذ غذا جو دو قوتوں، جاذبہ اور دافعہ سے انجام پاتا ہے)

جاننا چاہئے کہ انسانی جسم اعضاء سے مرکب ہے اور اعضاء انسجہ سے مرکب ہیں اور انسجہ خلیات سے مرکب ہیں۔ خلیہ ایک حیوانی ذرہ جو اپنے اندر زندگی کے تمام افعال رکھتا ہے۔ خلیہ اپنے افعال میں بالکل آزاد ہے۔ مگر ایک ہی قسم کے خلیات جو ایک خاص قسم کا نسیج (ٹشو) بناتے ہیں۔ وہ اپنے خاص قسم کے افعال ہیں

ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی ان کے مفرد افعال ہیں۔ جیسے اعصابی انسجہ میں قوت حس پائی جاتی ہے اسی طرح عضلاتی انسجہ میں قوت حرکت پائی جاتی ہے چونکہ انسجہ مفرد اعضاء ہیں اس لئے ان کے افعال بھی مفرد ہیں۔

چونکہ اعضائے انسانی انہی انسجہ (مفرد اعضاء) سے مرکب ہیں۔ اس لئے اعضاء کے افعال انہی مختلف انسجہ کے مختلف افعال سے مرکب طور پر انجام پاتے ہیں جیسے غذا کا جسم میں ہضم ہونا۔ یعنی غذا جس عضو کی طرف جاتی ہے اس عضو کی قوت جاذبہ اس کو جذب کرتی ہے اور جس عضو سے جدا ہو کر جاری ہوتی ہے اس کی قوت دافعہ اس کو دفع کرتی۔ اس طرح بھی سمجھ لیں کہ جب مکھی کا جسم پر بیٹھنے کا احساس ہوتا ہے تو یہ صرف اعصاب کا مفرد فعل ہے۔ جب ہم مکھی کو اڑانے کے لئے اسے ہاتھ سے اڑاتے ہیں تو ہاتھ کی یہ حرکت عضلاتی حرکت ہے۔ ان دو افعال سے جو فعل عمل میں آتا ہے بس یہی مرکب فعل ہے۔

جاننا چاہیے کہ جسم انسان میں جس قدر افعال سرزد ہوتے ہیں وہ مرکب ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام افعال اس قدر خودکار ہیں کہ ہم ان کا شعور بھی نہیں کر سکتے البتہ ان افعال کے سرزد ہونے کے بعد جو علامات اور نتائج پیدا ہوتے ہیں ان سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ فلاں مفرد فعل اعتدال سے زیادہ یا کم عمل میں آیا ہے۔ بس انہی اعضاء کی کمی بیشی اور ضعف کو جاننے کا نام مرض ہے۔ طب قدیم ان مفرد افعال کو امزجہ و اخلاط اور قوئی و اعضاء کے افراط و تفریط اور ضعف سے اندازہ لگا کر مرض کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کو اعتدال پر لا کر صحیح علاج کرتے ہیں۔

## فرنگی طب کے علاج میں غلطی

فرنگی طب خلیات (سیلز) اور مفرد اعضاء (ٹشوز) کو تسلیم کرتی ہے بلکہ یہ خوردبینی دور کی تحقیقات ہیں۔ لیکن ان کی یہ تحقیقات تشریح الابدان اور منافع



الاعضاء تک محدود ہیں۔ اس نے ان کے کیمیاوی اعمال اور طبعی افعال کو امراض اور علاج کی بنیاد نہیں بنایا۔ اس لئے اس کو مرض کی بنیاد جراثیم پر قائم کرنی پڑتی ہے اور علاج کے سلسلہ میں انہی جراثیم کو قتل اور فنا کرنا پڑتا ہے جن کا مفرد اعضاء اور مرکب اعضاء سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ بیرونی طور پر یا اندرونی طور پر ان رطوبات پر پلتے ہیں جو خون سے جدا ہوتی ہیں ان کو فنا کر دینے یا اخراج کر دینے سے بھی امراض دور نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس طرح اعضاء کے افعال درست نہیں ہو سکتے۔

اعضاء کے افعال اس وقت درست ہو سکتے ہیں جب اعضاء کے افعال درست کئے جائیں۔ خصوصاً ٹشوز (مفرد اعضاء) کے افعال درست کئے جائیں۔ کیونکہ افعال کی خرابی سے وہاں پر پھر جراثیم اپنا حملہ کر سکتے ہیں۔ یہی سب کچھ غیر فطری (ان نیچرل) اور غیر علمی (ان سائنٹیفک) ہے اس لئے ہم فرنگی طب کو غلط کہتے ہیں۔

## مفرد اعضاء اور اخلاط

مفرد اعضاء کے افعال کی خرابی کو درست کرنے سے اخلاط بھی اعتدال پر آجاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاط میں اگر اعتدال پیدا کیا جائے تو اعضائے مفردہ (ٹشوز) کے افعال درست ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نہ صرف جسم کے تمام مواد و فضلات اور زہر ختم ہو جاتے ہیں بلکہ جراثیم اور ہر قسم کے کرم فنا ہو کر نکل جاتے ہیں۔ گویا اخلاط کا اعتدال ہی اعضائے مفردہ (ٹشوز) کی درستی ہے جن سے ہر قسم کے امراض رفع ہو کر صحت قائم ہو جاتی ہے

جہاں تک فرنگی طب امراض میں اعضاء کی خرابی کو تسلیم کرتی ہے۔ اول تو وہ اس کو کچھ اہمیت نہیں دیتی اور جراثیم کی تلاش اور فنا میں سرگرداں رہتی ہے لیکن چونکہ امراض کی ترتیب بالاعضاء ہے اس لئے جب وہ امراض کا نام لیتی ہے تو بالاعضاء ان کا ذکر کرتی ہے۔ جیسے سوزش و ورم اور درد کو بھی سر و سینہ اور کبھی معدہ و مثانہ سے موسوم کرتی ہے۔ گویا پورے سر و سینہ اور معدہ و مثانہ کو مرض کی

آماج گاہ قرار دیتے ہیں۔ یہی صورتیں جگر و گردوں اور قلب و امعاء میں بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کے مفرد اعضاء (ٹشوز) کی خرابیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں گویا یک وقت تمام عضو کو مریض سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مرکب اعضاء ہیں جو مفرد اعضاء (ٹشوز) سے مرکب ہیں اور یک وقت تمام مفرد اعضاء (ٹشوز) مریض نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان کے سامنے یہ حقیقت نہیں ہوتی کہ ان مرکب اعضاء کا کونسا مفرد عضو (ٹشو) خراب ہے اور صرف اسی کا درست کرنا ہی صحیح علاج ہے۔ یہی فرنگی معالجین کی غلط فہمی ہے اس لئے فرنگی طب غلط ہے۔ اگر جراثیم کو ہی مدنظر رکھیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مفرد اعضاء (ٹشوز) کے جراثیم مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مرکب عضو میں مختلف جراثیمی امراض نظر آتے ہیں اور وہاں پر مختلف امراض پیدا کرتے ہیں۔

طب قدیم میں یہی کمال ہے کہ اس میں جو امراض کا ذکر بالعضاء ہے تو ان کے ساتھ ہی ہر عضو، ہر قوت اور ان کے افعال اخلاط کے تحت بیان کر دیئے گئے ہیں۔ گویا امور طبعیہ کی ساتوں صورتیں ایک دوسرے کے ساتھ گتھی اور گوندھی ہوئی ہیں۔ جب کوئی یونانی معالج کسی مرض کا علاج کرتا ہے تو وہ مزاج کے تحت تمام امور طبعیہ کو سلسلہ وار جانچ لیتا ہے اور پھر اسی مزاج و اخلاط کے تحت دوا اور غذا تجویز کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کو یقینی اور بے خطار کامیابی ہوتی ہے۔ یہی علمی اور سائنسی طرح ہے اور یہی فطری و قدرتی اور صحیح طریقہ علاج ہے۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا ہے کہ امراض کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اور صحیح علاج کرنے کے لئے امور طبعیہ کا نہ صرف جاننا بلکہ ان کو امراض اور علاج کی بنیاد بنانا انتہائی لازم اور بہت ضروری ہے۔ ان کے بغیر امراض کا جاننا اور صحیح علاج کا کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے ہم نے ان حقائق کو واضح کرنے کے لئے مفرد اعضاء (ٹشوز) کا نظریہ دنیائے طب کے سامنے پیش کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے



کہ مفرد اعضاء و قویٰ اور اخلاط و مزاج لازم و ملزوم ہیں۔ جن سے ایک طرف فرنگی طب کی غلطی و غلط پن دوسری طرف طب یونانی صحت اور کمال ثابت ہوتا ہے۔ یہی ہماری تیس سالہ تحقیق ہے جس پر ہم دنیا بھر کی تمام تحقیقات کو چیلنج کرتے ہیں اور حقیقی و فطری طب یونانی کے کمالات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

**پہلا حصہ ختم**

خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کتاب (فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے) کا پہلا حصہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے باقی حصے انشاء اللہ تعالیٰ زندگی بخیر رفتہ رفتہ لکھنے کی کوشش جاری رکھی جائے گی۔ یہ کتاب بھی وقت کی کمی کی وجہ سے عرصہ سات سالوں میں لکھی گئی ہے۔ چونکہ اس وقت اس کتاب کی ضرورت تھی اس لئے اس کے پہلے حصے کو جو نہایت اہم ہے، شائع کر دیا گیا ہے اور باقی حصوں کو دوسرے مناسب وقت کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ ضرورت کے مطابق ہمیں دو کتب کی بے حد ضرورت ہے۔

۱۔ تحقیقات علم الادویہ۔ جس کا بہت سا حصہ ماہنامہ رجسٹریشن فرنٹ میں شائع ہو چکا ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ اس کو جس قدر جلد ہو سکے شائع کر دیا جائے۔

۲۔ تجدید طب۔ اس میں علم و فن طب میں تجدید کی اہمیت، تجدید طب کی تاریخ تجدید طب کے لئے طریق کار، نظریات، ہمارا نظریہ مفرد اعضاء اور ہماری تحقیقات کو ترتیب سے پیش کرنا وغیرہ شامل ہے۔

ان دونوں کتب کی چونکہ بہت ضرورت ہے اس لئے کتاب (فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے) کے باقی حصے ان دونوں کتب کے بعد شائع کئے جا سکتے ہیں۔

اس کتاب (فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے) کی ترتیب شیخ الرئیس کے قانون کے مطابق رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم ابتدا میں لکھ چکے ہیں کہ طب کے دو حصے ہیں (۱) علمی یا نظری حصہ (۲) عملی حصہ۔ عملی حصے کے چار جزو ہیں۔ (۱) امور طبعیہ (۲)

حالات بدن (۳) اسباب (۴) علامات۔ علمی حصے کے دو جز ہیں (۱) علم حفظان صحت (۲) علم العلاج ۔ موجودہ کتاب علمی حصہ کا پہلا جز ہے۔ جو کتاب فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے کا ایک حصہ ہی شمار ہو سکتا ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ وقت کی کمی کی وجہ سے اس کتاب کو زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا جا سکا۔ مکمل تشریحات کی صورت میں اس کتاب کا دس گنا طویل ہونا ممکن تھا۔ لیکن ہم نے اختصار کے ساتھ ساتھ تمام اہم مباحث کو اس میں بہت احسن طریق پر سمیٹ لیا ہے۔ جن سے ایک قاری پورے طور پر مطمئن ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ کتاب علم و فن طب میں ایک انقلابی سنگ میل ثابت ہوگی۔ اور طب قدیم کو نہ صرف اپنا پورا مقام مل جائے گا۔ بلکہ اس کے کمالات کے نور سے دنیا جگمگا اٹھے گی۔ اور فرنگی طب کا مقام واپسی (ٹرننگ پوائنٹ) آج سے شروع ہو جائے گا۔ یہی اس کتاب کے لکھنے کا اصل مقصد ہے۔

وما توفیقی الا باللہ؛

240
مجدد طب مُوجد قانون مفرد اعضاء حکیم انقلاب
امام الحکماء صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تصانیف
۱۔ تحقیقات فارماکوپیا۔ ۲۔ تحقیقات المجربات
۳۔ تحقیقات حمیات (بخار)۔ ۴۔ تحقیقات الامراض و العلامات
۵۔ تحقیقات اعادہ شباب۔ ۶۔ تحقیقات علاج بالغذا
۷۔ تحقیقات علاج جنسی امراض۔ ۸۔ تحقیقات سوزش و اورام
۹۔ تحقیقات نزلہ و زکام۔ ۱۰۔ تحقیقات نزلہ و زکام وبائی
۱۱۔ تحقیقات تپ دق و سل۔ ۱۲۔ تپ دق اور خوراک
۱۳۔ ملیریا کوئی بخار نہیں۔ ۱۴۔ فرنگی طب غیر علمی اور غلط ہے
۱۵۔ تین انسانی زہر۔ ۱۶۔ تحقیقات علم الادویہ (حصہ کلیات)
۱۷۔ تعارف قانون مفرد اعضاء
۱۸۔ مبادیات طب۔ ۱۹۔ اسلام اور جنسیات
حکیم محمد شریف دُنیاپوری مرحوم
کی تحقیقی و انقلابی تصانیف
تحقیقات خواص المفردات
جلد اوّل ۶۵/- جلد دوم ۷۵/- جلد سوم ۶۰/-
رہبر نظریہ مفرد اعضاء ۴۵/-
تعارف نظریہ مفرد اعضاء ۲۰/-
کلیات قانون مفرد اعضاء ۳۰/-
میرا مطب ۷۵/- ۔ تپ دق و سل ۱۲/-
دمہ اور نظریہ مفرد اعضاء ۱۵/-
امراض نسواں ۴۵/- ۔ مجربات قانون مفرد اعضاء ۳۰/-
امراض معدہ و جگر ۳۲/- ۔ دستور علاج
(ہنس راج شرما) ۳۰/-
غذا سے علاج ۲۵/- ۔ چارٹ علم الادویہ ۵/-
چارٹ امراض و علامات ۵/- ۔ چارٹ مجربات قانون مفرد اعضاء ۵/-
محقق طب حکیم محمد یٰسین حسرت چاولہ
کی تحقیقات
بلڈ پریشر اور اس کا علاج ۶/-
رہبر علاج بالغذا ۹/-
تبخیر معدہ کا اصولی علاج ۶/-
قبض کوئی مرض نہیں ۶/-
مختصر تشریح قانون مفرد اعضاء ۲۴/-
مجرباتِ صابر ۱۵/-
ماہنامہ حکیم انقلاب
کے خصوصی نمبر
۱۔ قانون نظریہ مفرد اعضاء
۲۔ شوگر ۶۔ عضو بندی اور اسکے عوارضات
۳۔ نقرس
۴۔ الکحل (شراب)
۵۔ کامل قانون مفرد اعضاء
پاکستان بھر میں حکیم انقلاب صابر ملتانی اور زبدۃ الحکماء حکیم محمد شریف دُنیاپوری کی تصانیف کے واحد ناشر و تقسیم کار
نوری کتب خانہ نزد فری نوری شفاخانہ
بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور۔ فون ۶۳۶۶۳۸۵